Digitized by Khilafat Library Rabwah

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

یعنی

اردو رسالہ

ریویو آف ریلیجنز

نمبر ۱ — ۵ جنوری ۱۹۳۱ء — ایڈیٹر — ۱۴ شعبان ۱۳۴۹ھ — جلد ۳۰

قاضی محمد ظہور الدین اکمل

مقام اشاعت
قادیان دارالامان

چندہ سالانہ ہندوستان میں تین روپے اور ہندوستان سے باہر ۴/۸
مصدقہ طلباء اور غیر احمدیوں سے ۲/۸

Digitized by Khilafat Library Rabwah

فہرست مضامین

اسلام اور انتقام ۱/۵

اسلامی فقہ کے اصول ۶/۹

کیا مشینری کا استعمال روحانیت کے خلاف ہے ۱۰/۱۲

امریکہ میں کثرت جرائم اور انسداد شراب ۱۳/۱۶

عالم اسلام ایران ۱۶/۲۱

اسلامی تعلیم انتقام عالمگیر اصول پر مبنی ہے ۲۱/۲۵

(یہ ایڈیٹر کے مضامین ہیں)

آنحضرت خاتم النبیین ہیں جیسے انسان خاتم المخلوقات ۲۵/۳۰

عیسائیت کی مابہ الناز تعلیمات پر نظر ۳۰/۳۵ مولانا محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل

شیطان کے پجاری ۳۵/۳۹ ماخوذ

ہندوؤں کے عزائم ہندوؤں کی زبان سے ۳۹/۴۱ "

احباب کرام سے

خدا کے فضل سے ریویو آف ریلیجنز اردو کی تیسویں جلد شروع ہوتی ہے۔ اور اس سال کا پہلا رسالہ موجودہ خریداران ریویو کے علاوہ ان اصحاب کی خدمت میں بھی بھیجا جاتا ہے جو کسی وجہ سے اب خریدار نہیں رہے میں امید کرتا ہوں کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے۔ کم از کم اس سال کیلئے اس رسالہ کی خریداری منظور فرمائینگے ٭

یہ رسالہ بطور نمونہ ارسال خدمت ہے رسالہ نہایت پابندیٔ وقت سے شائع ہوتا ہے۔ جن دوستوں نے جلسہ سالانہ پر بھی چندہ سال گذشتہ ادا نہیں کیا وہ اب توجہ فرمائیں۔ اور جو پیشگی چندہ بابت سال سنہ ۱۹۳۱ء جمع نہیں کرا سکے وہ بھی مہربانی فرماکر تیار ہو جائیں۔ کیونکہ فروری کا رسالہ سب کے نام وصولی چندہ کے لئے حسب معمول سابق وی پی ہوگا۔ تین روپے سالانہ یعنی ۴ر ماہوار کوئی بڑی بات نہیں

اس سے پہلے متعدد مرتبہ معتقدین جماعت احمدیہ کی خدمت میں یہ گذارش کی جا چکی ہے کہ رسالہ کا فنڈ ۱۸۰۰ روپے کا مقروض ہے اس لئے کم از کم ایک ہزار خریدار بڑھانے کا بندوبست کرنا چاہیئے ٭

(ایڈیٹر)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلامک کلچر

اسلام اور انتقام

(۱)

کلچر درحقیقت اس ارتقاء کا نام ہے جو خاص تربیت کے ماتحت پیدا کیا جاتا ہے۔ اور اس وجہ سے کسی مذہب کی کلچر پر بحث کرتے ہوئے سب سے زیادہ ان اصول اخلاق کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ جن کے اثر کے نیچے اس قوم کے اخلاق اور دماغی قابلیتوں کو نشو و نما دیا گیا ہو۔ ہر قوم کی کلچر کے ذمہ وار درحقیقت وہی اصول اخلاق ہوتے ہیں۔ جن پر اس کی تعلیم کا دارومدار رکھا گیا ہو۔ پس اگر میں اسلام اور انتقام کے مضمون کو اسلامک کلچر کے ماتحت پیش کروں تو یہ بے محل نہ ہوگا +

پیشتر اس کے کہ میں اسلام کی اس تعلیم کا ذکر کروں۔ جو اس نے انتقام کے متعلق دی ہے۔ اور جس نے ایک ہزار سال تک اس کے پیرووں کے خیالات اور اعمال کو ایک خاص رنگ میں ڈھالے رکھا ہے اور جس کا اثر گو اس وقت مسلمانوں کی دینی ناواقفیت کی وجہ سے کم ہو گیا ہے۔ مگر اب بھی وہ بالقوۃ اسی طرح مسلمانوں میں تغیر پیدا کرنے کی قابلیت رکھتی ہے۔ جس طرح کہ پہلے زمانہ میں رکھتی تھی۔ میں اس امر پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ کہ انتقام چیز کیا ہے؟

انتقام میرے نزدیک طبعی جذبہ ہے اور جیسے کہ تمام طبعی جذبات کسی نہ کسی ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ یہ بھی بقائے نسل کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ انسان بہت سے حالات کے ماتحت اپنی ذاتی نیکی کو بھول جاتا ہے۔ اور دوسروں کے حقوق میں دخل انداز ہو جاتا ہے۔ اس وقت اسے حد بندی کے اندر رکھنے کے لئے اس شخص کو

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جسے نقصان پہنچایا گیا ہو یا اسکے خیرخواہوں یا محافظوں کو کوئی نہ کوئی ذریعہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ وہ ذریعہ کبھی نصیحت کبھی محبّت کبھی حسن سلوک اور کبھی بالمقابل ایذاء دہی کی شکل میں اختیار کیا جاتا ہے اور جب وہ آخری صورت میں ہو تو اسے **انتقام** کہتے ہیں۔

طبعی جذبات جبتک کہ بغیر مناسب حدبندی کے صرف وقتی جوش کے ماتحت یا گردوپیش کے حالات کے دباؤ کے ماتحت ہوں۔ اس وقت تک ان کی مثال ایک بغیر تراشے ہوئے ہیرے کی ہوتی ہے۔ لیکن جب انہیں عقل کے ماتحت لے آیا جائے تو اس وقت وہ **اخلاق** کہلاتے ہیں، اور ایک ایسے ہیرے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، جسے صنّاع نے ہوشیاری سے تراش کر تمام آلائشوں سے پاک کر دیا ہو جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ وہ دیکھنے والے کے لئے خوشنما ہو گیا ہو بلکہ اپنی ذات میں بھی اس میں ایک نئی قسم کی چمک پیدا ہو گئی ہو۔ اور یہی مقام یعنی جبکہ انتقام کو عقلی حدبندی کے نیچے لایا گیا ہو اسوقت ہمارے زیر بحث ہے۔

بعض لوگوں نے انتقام کو بالواسطہ حدتک جائز رکھا ہے۔ جیسے بائیکاٹ وغیرہ افراد کے متعلق اور خلاف ورزی قانون حکومتوں کے متعلق۔ ان لوگوں کے نزدیک اس سے زیادہ انتقام لینا درست اور جائز نہیں۔ بعض دوسرے لوگ انتقام بلاواسطہ کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ جیسے مارنا پیٹنا قید کر دینا۔ قتل کر دینا۔ اور بعض اور لوگ ہی جو انتقام کو کسی صورت میں بھی جائز قرار نہیں دیتے۔ لیکن یہ مؤخر الذکر لوگ ہماری بحث سے خارج ہیں۔ کیونکہ جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں۔ انتقام کا جذبہ ایک طبعی جذبہ ہے۔ اور طبعی جذبات کو ہم قوانین کے ماتحت تو لا سکتے ہیں لیکن ہم انہیں کلی طور پر نظرانداز نہیں کر سکتے۔

جن لوگوں نے دوسرے کے شرّ کے مقابلہ کے لئے انتقام بالواسطہ کی قسم ایجاد کی ہے۔ وہ اس امر پر بھی مصر ہیں کہ یہ قسم درحقیقت انتقام کی قسم ہے ہی نہیں۔ بلکہ مظلومیت کی ایک قسم ہے۔ اور ظلم کا مقابلہ کرنیکی بجائے۔ اس کا عامل ظلم کو برداشت کرتا ہے۔ اور ان کے اس زور دینے سے دنیا اسقدر متأثر ہوئی ہے کہ بعض مسیحی پادریوں نے ایسی کتب لکھی ہیں جن میں تسلیم کیا ہے۔ کہ مسٹر گاندھی جو ان کے نزدیک اس نئے اصل کے بانی ہیں۔ انہوں نے درحقیقت مسیحؑ کی تعلیم کو عملی جامہ پہنایا ہے۔ حالانکہ ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے۔ کہ مسیح کی تعلیم اور اس تعلیم میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مسیح تو کہتا ہے۔ کہ ظالم تجھ سے جو کچھ لیتا ہے۔ اسے لینے دے اور مسٹر گاندھی بتاتے ہیں کہ ظالم نے تجھ سے جو کچھ لے لیا ہے۔ اسے تو بغیر جنگ کیئے کس طرح واپس لے سکتا ہے؟

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مسیح کا نظریہ یہ ہے۔ کہ انسانی فطرت نیک ہے۔ جب تُو اعلیٰ درجہ کے عفو کی مثال اس کے سامنے پیش کریگا۔ تو تیرے عفو سے متأثر ہو کر تیرے مخالف کا اندرونی انصاف جوش میں آجائیگا۔ اور وہ تجھ سے نیک سلوک کرنے پر آمادہ ہو جائیگا۔ اس کے مقابلہ میں مسٹر گاندھی کا نظریہ یہ ہے۔ کہ تیرا مخالف جو مطالبہ تجھ سے ایسا کرے جس کا اسے حق حاصل نہیں ہے۔ تو اسے مار نہیں۔ لیکن اسے وہ مطالبہ بھی پورا نہ کرنے دے۔ اور اس کی مرضی کے خلاف چل۔ مَیں تو دونو نظریوں کو ہی ناقص سمجھتا ہوں۔ لیکن مَیں اس امر کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ایک نظریہ میں عفو سے نیکی کو اُبھارنے کی تعلیم ہے۔ اور دوسرے میں خاموش مقابلہ سے جابر کا ہاتھ روکنے کی۔ ایک تعلیم ہمیں یہ سکھاتی ہے۔ کہ تُو اپنے معاملہ کو خدا کے سپرد کر۔ اور دوسری یہ سکھاتی ہے کہ تُو اپنے مخالف کا اس طرح مقابلہ کر۔ کہ خواہ تُو کتنا ہی ظالم ہو لوگ تجھے مظلوم سمجھتے رہیں۔ مسیح کی تعلیم پر عامل گو دوسرے کو ظلم پر دلیر کر دے۔ مگر خود ظلم نہیں کر سکتا۔ اور نہ دوسرے کو ظلم پر مجبور کرتا ہے۔ لیکن مسٹر گاندھی کی تعلیم پر عامل خود بھی ظلم کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ اور دوسرے کو بھی ظلم پر مجبور کر سکتا ہے۔ پس باوجود اس قدر کُھلے فرق کے دونو کو ایک کہنا سخت نادانی ہے۔ اور مجھے ان مسیحی پادریوں پر خصوصاً تعجب آتا ہے۔ کہ جو اِن دونو تعلیموں کو ایک قرار دیکر اپنے آقا کی ہتک کے مرتکب ہوتے ہیں ✤

حقیقت یہ ہے۔ کہ مسٹر گاندھی کا نظریہ مظلومی کا نظریہ ہرگز نہیں۔ بلکہ انتقام بالواسطہ کا نظریہ ہے اور انتقام بالواسطہ اور انتقام بلاواسطہ میں سوائے شکل کے اور کوئی بھی فرق نہیں۔ دونو کی غرض ایک ہے۔ یعنی دوسرے کو تکلیف دیکر مجبور کرنا۔ کہ وہ ہماری مرضی کے مطابق عمل کرے۔ اور یہ دونو امور بعض حالتوں میں اچھے۔ اور بعض حالتوں میں بُرے ہو سکتے ہیں۔ جب ہم جائز طور پر مجبور کریں تو ہمارا انتقام خواہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ جائز ہوگا۔ اور اگر ہم ناجائز طور پر کسی کو اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کریں۔ تو ہمارا یہ انتقام بُرا ہوگا۔ ایک باقاعدہ حکومت میں رہتے ہوئے ہمارا مال کوئی شخص چرا کر لیجائے۔ تو اگر ہم چوری سے اس کا مال لے آئیں۔ تو خواہ وہ ہمارے مال سے کم قیمت کا ہی کیوں نہ ہو۔ ہمارا یہ انتقام کبھی جائز نہیں کہلا سکتا۔ پس یہ کہنا۔ کہ انتقام بالواسطہ جس کا دوسرا نام بائیکاٹ یا آئین حکومت کی نافرمانی ہے۔ ہر حالت میں ایک شاندار فعل اور ایک ملکی خدمت ہے اور انتقام بلاواسطہ یعنی زور کا مقابلہ زور سے کرنا۔ ایک گناہ اور یہ ناجائز فعل ہے۔ بالکل درست نہیں۔ ہم کسی کو زہر دیکر مار دیں یا اسے پانی پینے نہ دیں۔ اور اس طرح وہ مر جائے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تو دونو فعلوں میں ایک ذرّہ بھر بھی فرق نہیں۔ اسی طرح اگر ہم کسی کو سونٹوں سے ماریں یا اسے اسکے کام پر جانے سے روکیں۔ تو دونو فعلوں میں کوئی فرق نہیں۔ پھر اسی طرح اگر ہم کسی تاجر کے مال کو آگ لگا کر ضائع کردیں یا ایسے ذرائع اختیار کریں۔ کہ اس تک گاہک نہ پہنچ سکے۔ تو دونو فعل یکساں ہیں۔ کیونکہ دونو فعلوں کا ایک ہی نتیجہ ہے۔ یعنی اس تاجر کی تجارت کا خراب ہو جانا ۔

اس موقعہ پر کہا جا سکتا ہے۔ کہ جنگ کے ایّام میں ہم اس طرح نقصان پہنچاتے ہیں۔ اور اسے جائز رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ جن اقوام سے جنگ ہوتی ہے۔ ان کے ملک کو غلّہ وغیرہ نہیں جانے دیا جاتا۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ بے شک ایسا ہوتا ہے۔ لیکن جنگ میں تو قتل کرنا بھی جائز سمجھا جاتا ہے پس اگر سول نافرمانی کو صرف جنگ کے ایّام میں جائز قرار دیا گیا ہے۔ تو صرف اسی کو جائز نہیں قرار دینا چاہیئے۔ بلکہ قتل و غارت کو بھی جائز قرار دینا چاہیئے۔ کیونکہ جنگ میں ان افعال کو بھی جائز سمجھا جاتا ہے۔ درحقیقت جنگ تو نام ہی اس زمانہ کا ہے۔ جب یہ فیصلہ کر لیا جاتا ہے۔ کہ دوسرا فریق دلیل اور عقل کو ماننے کے لیئے تیار نہیں ہے۔ بلکہ زور اور طاقت سے اپنی بات منوانا چاہتا ہے پس اس کے اس رویہ کے بالمقابل ہمیں بھی زور اور طاقت کو استعمال کرنا چاہیئے۔ اور جب کوئی قوم یہ فیصلہ کر لیتی ہے۔ تو وہ انتقام بلاواسطہ یا بالواسطہ دونو میں سے جس کو جس جس حد تک مفید پاتی ہے اس سے کام لیتی ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ جب کوئی قوم کسی دوسری قوم سے اپنے آپکو برسرِ جنگ سمجھتی ہے۔ تو اسکے جنگی افعال پر اعتراض بھی نہیں کرتی ۔

اس سوال کو حل کرنے کے لیئے ہم ہندوستان کی موجودہ حالت کی مثال کو لیتے ہیں۔ اگر یہ درست ہے۔ کہ اس وقت انگریزی حکومت سے جنگ ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ زور کے استعمال اور انتقام بلاواسطہ سے ملک کو روکا جائے۔ اور پھر کوئی وجہ نہیں کہ اگر حکومت لوگوں کو مارے پیٹے یا قید کرے یا ان کی جائدادیں ضبط کرے تو اسپر اعتراض کیا جائے۔ لیکن اگر اسوقت جنگ نہیں ہے۔ تو جنگ کے بغیر کسی حکومت سے جس طرح انتقام بلاواسطہ منع ہوتا ہے۔ اسی طرح انتقام بالواسطہ بھی منع ہوتا ہے۔ کیونکہ دونو کا مقصد بھی اور نتیجہ بھی دوسرے کو ضرر پہنچانا ہے۔ اور ضرر پہنچانا بغیر جنگ کے درست نہیں ۔

یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کہ گو جنگ ہے۔ لیکن ہم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے۔ کہ ہم جنگ کو صرف انتقام بالواسطہ تک محدود رکھیں گے۔ اور اس وجہ سے گورنمنٹ کا بھی فرض ہے۔ کہ وہ پکڑ دھکڑ نہ کرے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کیونکہ ہر فریق اپنے فائدہ کے ہتھیار استعمال کرتا ہے۔ اگر ایک قوم کے پاس بندوقیں نہ ہوں اور وہ تلواروں سے جنگ کرے۔ تو وہ دوسری قوم کو مجبور نہیں کر سکتی۔ کہ وہ بھی جنگ میں صرف تلوار ہی استعمال کرے۔ اور اگر ایک پہاڑی درہ سے اس کا داخلہ دشمن کے ملک میں مفید ہے۔ تو وہ مجبور نہیں کر سکتی کہ دوسرا بھی اس راستہ تک اپنے حملہ کو محدود رکھے۔ جس طرح اس نے اپنا فائدہ دیکھا ہے۔ دوسرا اپنا فائدہ دیکھیگا *

غرض مسٹر گاندھی کے رویہ کے مقابلہ میں گورنمنٹ جو کچھ کرتی ہے۔ اس پر اس وقت تک اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ جبتک کانگرس والوں کو برطانیہ کی رعایا نہ قرار دیا جائے۔ اور اگر انہیں رعایا قرار دیا جائے۔ اور انگریزی حکومت کو ایک باقاعدہ حکومت تسلیم کیا جائے۔ تو لازماً یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ ذرائع جو اسوقت مسٹر گاندھی اور کانگریس کی طرف سے استعمال ہو رہے ہیں وہ درحقیقت انتقام کی ایک قسم ہیں۔ اور خواہ کتنے ہی خوبصورت ناموں سے انہیں موسوم کیا جائے۔ ویسے ہی ناجائز ہیں جیسے کہ انتقام کی دوسری قسمیں *

حق یہی ہے۔ کہ یہ سب فساد انتقام کی تعریف اور اس کی حد بندیوں کے نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے *

تبلیغی ٹریکٹ

چند کارآمد حوالے نمبر ۱ تا نمبر ۲	۱/
بانی آریہ سماج کے اقوال میں تناقض	۰/
اسلام کی اندرونی تصویر	/
آریہ سماج اور گاندھی جی	۰/
رسالہ تائید اسلام کے اعتراضات کا جواب	۱۰/
کفارہ	۱/
بطلان مسئلہ قدامت رُوح و مادّہ	۱/
اسلامی قادر مطلق خدا اور آرین سرو شکتیمان	۴/
مسیح موعودؑ و اُمت محمدیہ	۱/
شیعہ سوراج اور اسکے واقعات	۱/
ذبیحہ گائے	۱/
ابطال الباطل (رد شیعہ)	۲/
آسمانی گولہ	۱/

تبلیغی رسالے

براہین العقائد	۸/
معارف القرآن	۸/
تصوّف	۶/
مقصد مذہب	۳/
مباحثہ سرگودھا	۶/
الاستخلاف	۴/
مباحثہ ختم نبوّت	۶/
مجمع البحرین	۳/
کمالات احمدیہ	۶/
التشریح الصحیح	۶/
معراج	۶/

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اِسلامی فقہ کے اُصول

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ابھی مسلمانوں کو اس امر کی طرف توجہ نہیں ہوئی۔ کہ جبکہ غیر مذاہب میں سے شاذ و نادر ہی ایسے لوگ ہیں۔ جنہیں اسلام کے متعلق مذہبی طور پر تحقیق کی خواہش ہو۔ ایسے لاکھوں آدمی ہیں۔ کہ جو اسلامی تاریخ اسلامی کلچر اور اسلامی تمدّن سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ حکومتیں۔ کہ جنکو مسلمانوں سے واسطہ پڑتا ہے خواہ اندرونی نظم و نسق کے لحاظ سے خواہ خارجی تعلّقات کے لحاظ سے ان کے افسر تو مجبور ہیں۔ کہ ان امور کے متعلق ایک حد تک واقف رہیں۔ ورنہ وہ اپنے فرائض کو پوری طرح سرانجام ہی نہیں دے سکتے۔ سارداایکٹ کے موقع پر حکومت ہند کو اسلامی نقطۂ نگہ سے ناواقفیت کی وجہ سے سخت دھوکا لگا۔ اور بلا وجہ ملک میں شورش اور فساد پیدا ہوا۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ مندرجۂ بالا امور کے متفرق پہلوؤں کے متعلق اسلامی نقطۂ نگہ کو پیش کیا جاتا رہا کرے۔ تاکہ وہ لوگ جو اسلام کی واقفیت بین الاقوامی نقطۂ نگہ سے حاصل کرنا چاہتے ہیں انہیں فائدہ ہو اور اسلام کے متعلق صحیح معلومات حاصل ہو کر وہ تعاون اور اتحاد پیدا ہو سکے جو اسوقت دنیا کی آئندہ ترقی کے لئے نہایت ہی ضروری ہو رہا ہے ؂

میں اس سلسلہ کی کڑی کے طور پر اسلامی فقہ کے اصول کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ اسلام کی فقہ کی بنیاد اصل میں قرآن کریم پر ہے۔ قرآن کریم کے متعلق مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ وہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ نہ صرف مفہوم کے لحاظ سے بلکہ الفاظ کے لحاظ سے بھی۔ اس کا ایک ایک لفظ خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اور اس کے بنانے میں حضرت محمد مصطفےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی دخل نہیں۔ یہ کتاب بنیاد ہے اسلامی فلسفہ کی۔ بنیاد ہے اسلامی شریعت کی۔ بنیاد ہے اسلامی تمدّن کی۔ بنیاد ہے اسلامی سیاست کی اور بنیاد ہے اسلامی اقتصادیات کی ؂

لیکن اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ کوئی کتاب بغیر معلّم کے صحیح طور پر نہیں سمجھی جا سکتی۔ اور چونکہ الہامی کتاب پر نہ صرف اس دنیا کی ترقی کا دار و مدار ہوتا ہے۔ بلکہ اخروی زندگی کا بھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کتاب کے لانے والے کو اس کی باریکیوں کا علم دیکر ارسال کرتا ہے۔ جو اس کے مطالب کو

Digitized by Khilafat Library Rabwah

الہام کی ہدایت سے سمجھ کر یقینی صورت میں اُمّت کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور خود عمل کرکے دکھاتا ہے تاکہ اس کے صحیح مفہوم میں کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ جہاں الہامی کتاب کا یہ منشاء ہو۔ کہ اس کے کسی خاص حکم پر ایک ہی صورت میں عمل کیا جائے۔ وہاں وہ ایک ہی صورت میں عمل کرکے دکھاتا ہے۔ اور جہاں الہامی کتاب کا منشاء ہو۔ کہ مختلف طبیعتوں اور فطرتوں کا لحاظ کرتے ہوئے۔ مختلف شکلوں میں اس حکم پر عمل کرنے کی اجازت ہو۔ وہاں وہ ان مختلف صورتوں میں عمل کرکے دکھاتا ہے۔ آگے اس کے مقتدیوں میں سے جس کے مزاج کے مطابق جو طریق عمل ہو۔ وہ اس کی اقتداء کرنے لگتا ہے۔ پس جو چیز بظاہر اختلاف نظر آتی ہے۔ درحقیقت اتحاد کی ایک صورت ہوتی ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا۔ کہ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی تم اقتداء کروگے۔ ہدایت پاؤگے۔ اور اس قول کا کہ اختلاف اُمّتی رحمۃ۔ میری اُمّت کا اختلاف بھی ایک رحمت الٰہی ہے۔ یعنی بعض مسائل میں جو اختلاف نظر آتا ہے۔ وہ تفرقہ اور جہالت کے سبب سے نہیں ہے۔ بلکہ اس وجہ سے ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رحم سے اختلاف طبائع کو دیکھ کر عبادات وغیرہ کی تفصیلات کے متعلق مختلف صورتوں میں عمل کرنے کی اجازت دیدی ہے۔ پس یہ اختلاف حقیقتاً اختلاف نہیں۔ بلکہ جواز کی مختلف صورتیں ہیں۔ ائمہ اسلام خواہ اہلبیت نبوی میں سے ہوں۔ خواہ دوسرے صحابہؓ ہوں۔ سب نے اس حقیقت کو سمجھا ہے۔ اور تسلیم کیا ہے۔ لیکن بعد میں آنیوالوں نے اس حقیقت کو نہ سمجھ کر جہاں درحقیقت کوئی اختلاف نہ تھا۔ وہاں بھی اختلاف پیدا کرلیا۔

محققین کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ جو کچھ شریعت کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ وہ قرآن کریم سے ہی اخذ کیا ہے۔ اور بطور الہام آپ پر منکشف ہوا ہے۔ پس درحقیقت قرآن کریم ہی اصل منبع اور ماخذ شریعت کا ہے ٭

اس عملی حصہ کو جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کرکے دکھایا۔ اور آپکے ہمراہیوں نے آپ کو کرتے ہوئے دیکھا۔ اور آپکے عمل کی نقل کی اور اگلوں نے ان کی نقل کی اسے سُنّت کہتے ہیں۔ اور یہ قرآن کریم کے بعد درجہ رکھتی ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ قرآن کریم سے باہر کی چیز ہے اور اس سے کم درجہ کی ہے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ تفصیلی شے ہے۔ اور اسکے ہم تک پہنچنے کا ذریعہ ایسا محفوظ نہیں جیسا کہ قرآن کریم کا ہے ٭

اسکے بعد تیسری چیز حدیث ہے یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال۔ چونکہ بات کا سمجھنا اور اسے پوری طرح

Digitized by Khilafat Library Rabwah

یاد رکھنا ایسا سہل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اس بات کا سمجھنا۔ یا اور یاد رکھنا۔ جسپر ہمیشہ عمل کیا اور کروایا جائے۔ اس لئے حدیث کا درجہ سُنّت کے بعد ہے۔ اور جس امر میں آکر حقیقی اختلاف پیدا ہوتا ہے وہ حدیث ہی ہے۔ ورنہ سُنّت اور قرآن میں اختلاف قریباً مفقود ہے۔ اور اصل چیز جس کی مسلمان کو ضرورت ہے۔ وہ وہی تشریح ہے۔ جو اعمال کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً کرکے دکھائی ہے۔ بہت سی حدیثیں درحقیقت سُنّت کا لفظی بیان ہیں۔ اور اس وجہ سے حدیث نہیں۔ بلکہ سُنّت کا حصہ ہیں۔ کیونکہ وہ ایسے اعمال کو الفاظ میں بیان کرتی ہیں۔ جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے سامنے ادا کیا۔ اور دوسروں کو ان کے کرنے کی ہدایت کی انمیں اگر کوئی اختلاف ہے۔ تو حقیقی اختلاف نہیں۔ بلکہ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔ وہ اختلاف درحقیقت جواز کی مختلف صورتوں سے پیدا شدہ غلط فہمی ہے۔ حدیث صرف وہ کلام ہے جو کسی عمل سے تعلق نہیں رکھتا۔ اور اس میں صرف کسی عقیدہ یا اخلاقی یا تاریخی امر کو بیان کیا گیا ہو۔ ایسی روایتوں کے متعلق مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ انہیں قرآن کریم پر عرض کیا جائے اگر ان کا مضمون قرآن کریم کے مخالف نہ ہو تو ان کا مضمون درست سمجھا جائے۔ ورنہ نہیں۔ اس کے بعد ان کی تاریخی حیثیت کو دیکھا جائے۔ اگر تاریخی حیثیت ان کی درست ہو۔ تو انہیں صحیح روایت تسلیم کیا جائے۔ اگر تاریخی حیثیت انکی مخدوش ہو۔ تو سمجھ لیا جائے۔ کہ گو ان کا مضمون صحیح ہے۔ لیکن تاریخی حیثیت سے وہ روایت کہلانے کی مستحق نہیں ہیں۔ حدیثوں کے متعلق ائمۂ اسلام کا یہ بھی عقیدہ ہے۔ کہ سوائے ان کے جو پہلے انبیاءؑ کی تاریخ سے تعلق رکھتی ہوں۔ جسقدر احادیث امور دینیہ سے تعلق رکھتی ہوں۔ ان کا مضمون درحقیقت وحی خفی سے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ امور دینیہ کے بارہ میں ہمارا رسول اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کہتا وہ جو کچھ بیان کرتا ہے وحی سے بیان کرتا ہے۔ پس حدیث صحیح بھی درحقیقت قرآن کریم کے مضامین کی ہی تشریح ہے ؎

قرآن کریم کی صحیح تفسیر کے ذرائع یہ ہیں:- (۱) لُغت (۲) قواعد زبان (۳) محاورۂ عرب۔ (۴) اس مضمون کی دوسری آیتیں (۵) سُنّت اللہ جو قرآن کریم میں بیان ہوئی ہو۔ ان پانچ اصول کے مطابق جو معنے ہوں۔ وہ درست ہیں۔ اور جو حدیث ان کے مطابق ہو۔ وہ صحیح ہے ؎

Digitized by Khilafat Library Rabwah

قرآن کریم نے ایک اور اصل بھی مقرر فرمایا ہے۔ اور وہ یہ کہ انسانی دماغ کیلئے ترقی کی گنجائش رکھنے کے لئے اس نے دو راستے کھلے رکھے ہیں۔ اوّل یہ کہ بعض جزوی امور کو اس نے بطور نص کے نہیں بیان کیا۔ بلکہ اصول مقرر کر دیئے ہیں۔ اور ان کی فروع کا اخذ ہمارے ذمہ چھوڑ دیا ہے۔ اسے اجتہاد یا قیاس کہتے ہیں۔ ہم ایسے امور کے متعلق قرآن کریم یا احادیث کی نصوص پر غور کر کے خود تفصیلات طے کر لیتے ہیں۔ اگر ہم صحیح نتیجہ پر پہنچیں تو فبہا۔ اگر دیانتداری سے کوشش کرنے کے بعد بھی صحیح نتیجہ پر نہ پہنچیں تو وہ معاف ہے شرارت سے کوئی کام لے۔ تو وہ گنہگار ہے ؛

دوسرا راستہ۔ انسانی دماغ کی ترقی کے لئے یہ کھلا چھوڑا گیا ہے۔ کہ بعض امور جن کا تعلق روحانیات سے زیادہ گہرا نہیں ہے۔ اور جو زمانہ کے حالات کے مطابق بدلتے رہنے والے ہیں۔ ان کے متعلق قرآن کریم نے بالکل خاموشی اختیار کی ہے۔ اور ہر زمانہ کے مسلمانوں پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ خود ان کے متعلق قوانین تجویز کریں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اے مومنو! ان امور کے متعلق سوال نہ کرو جو اگر بتائے جائیں تو تم تکلیف میں پڑ جاؤ" (مائدہ ع ۱۴) یعنی ان امور کے متعلق جنہیں قرآن کریم نے بیان نہیں کیا۔ سوال نہ کیا کرو۔ کیونکہ جس امر کو اس نے بیان نہیں کیا۔ اسی وجہ سے بیان نہیں کیا۔ کہ اس کے متعلق قانون بنا دینے سے انسانی ترقی میں روک پیدا ہو سکتی ہے اور انسان دکھ میں پڑ سکتا ہے۔ ایسے امور میں عام قواعد اخلاق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے۔ مسلمان آزاد ہیں۔ کہ ہر زمانہ کے مطابق اپنے لئے کوئی قاعدہ بنا لیں۔ یا یہ کہ افراد کو آزادی دیدیں۔ کہ وہ جس طرح چاہیں اپنے مذاق کے مطابق عمل کریں ؛

ہندوستان میں سنی اور شیعوں کی آبادی

	مسلمان	سنی	شیعہ
۱۔ آسام	۲,۲۱۹,۹۴۷	۲۲۱۹۵۱۳	۴۳۴
۲۔ بلوچستان	۴۳۳۴۷۷	۷۰۶۳۵۵	۳۷۳۹
۳۔ بنگال	۲۵۴۸۶۱۴۴	۲۵۴۸۳۵۶۴	۲۵۸۰
۴۔ بہار اڑیسہ	۳۷۰۶۲۷۷	۳۶۸۹۲۷۷	۱۷۰۰۰
۵۔ بمبئی	۴۶۶۰۸۲۸	۴۱۰۷۲۲۱	۱۴۴۴۲۷
۶۔ سی پی اور برار	۵۸۲۰۳۲	۵۷۰۳۹۲	۱۱,۶۴۰
۷۔ مدراس	۲۸۶۵۲۸۵	۲۶۸۱۹۴۵	۵۴۱۱۴
۸۔ سرحدی صوبجات	۲۰۸۴۱۲۳	۱۹۹۴۸۹۸	۸۰۲۰۰
۹۔ پنجاب ۔ دہلی	۱۲۹۵۵۱۴۱	۱۲۶۰۵۴۷۲	۲۵۹۳۵۱
۱۰۔ بڑودہ	۱۶۲۳۲۸	۱۴۲۸۶۳	۱۵۸۹۷
۱۱۔ کشمیر	۲۵۴۸۵۱۴	۲,۴۲۱۰۸۹	۱۲۷,۴۲۵
۱۲۔ راجپوتانہ	۱۰۰۲,۱۱۷	۹۸۰۱۴۱	۲۰۲۹۱

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مسٹر گاندھی اور مشینری

کیا مشینری کا استعمال رُوحانیت کے خلاف ہے؟

مسٹر گاندھی کے کھاڈی پر زور دینے کے نتیجہ میں یہ عام خیال ہو رہا ہے۔ کہ مشینری کا استعمال رُوحانیت اور ملک کی رفاہیت کے خلاف ہے۔ مسٹر گاندھی اپنے اس خیال میں کہ مشینوں کا استعمال ملک کے حقیقی امن کے خلاف ہے۔ اکیلے نہیں ہیں۔ بہت سے لوگ جو سرمایہ داری کے خلاف ہیں۔ اس نتیجہ پر پہنچ رہے ہیں۔ اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس وقت مشینوں کی ایجاد کا دَور شروع ہوا ہے۔ مزدوروں نے ان کے استعمال کے خلاف بہت سخت جوش دکھایا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ مشینوں کے استعمال کے بعد مغربی ممالک میں زیادہ لوگوں کے لیئے کام نکل آئے۔ اور مزدوروں کو زیادہ مزدوری ملنے لگی۔ مشینوں نے بیکاری نہیں پیدا کی۔ بلکہ ان سے کام لیکر زیادہ آسائش سے زندگی بسر کرنے والوں نے دوسروں کی نظروں میں بھی معیشت کا معیار بلند کر دیا ؏

ہمارے نزدیک مشینوں کے استعمال کا رُوحانیت سے کوئی بھی تعلّق نہیں ہے۔ اگر کُلہاڑے کا استعمال روحانیت کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ تو یقیناً لکڑی پھاڑنے والی مشین بھی روحانیت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اور اگر مشین نقصان پہنچاتی ہے۔ تو کُلہاڑا بھی یقیناً روحانیت کے خلاف ہے۔ اور ہمیں یہ اصل تجویز کرنا پڑیگا۔ کہ ہر ایک کام ہم خود اپنے ہاتھ سے کریں ؏

کوئی قوم اور کوئی ملک سب دنیا کا مالک نہیں ہے۔ اور جبتک ساری کی ساری دنیا ایک نظام کے ماتحت آگر سستی اور آرام طلبی کا فیصلہ نہیں کر دیتی (جو کبھی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ہُوا تو مبارک نہیں۔ بلکہ منحوس ہوگا) اس وقت تک وہی قوم دوسری قوم کے مقابلہ میں جیتے گی جو دوسری سے زیادہ کام اور زیادہ اچھا کام کرنے کے قابل ہوگی۔ ہاتھوں سے کام کرنے والی قومیں مشینوں سے کام کرنیوالی قوموں کے مقابلہ میں یقیناً غریب رہینگی۔ اور تجارت کے ہر میدان میں ان سے شکست کھائینگی ؏

مشین ایک آدمی کی طاقت کو ہزار گنے بڑھا دیتی ہے۔ اور اس نسبت سے اسی کی آبادی کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ جس ملک کے آدمی ایسی مشینیں استعمال کرتے ہیں۔ کہ جو ایک ہزار آدمی کے برابر کام کرتی ہیں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اس کی آبادی کا اندازہ اس کے افراد کی تعداد سے نہیں لگایا جائیگا۔ بلکہ اسکے افراد کو مشینوں کی طاقت سے ضرب دیکر اس کی آبادی کی تعداد نکالی جائیگی۔ پس جو شخص اپنی قوم کو یہ مشورہ دیتا ہے۔ کہ مشینوں کے استعمال کو چھوڑ دو۔ وہ یقیناً اپنی قوم کی قوت کو کمزور اور ضعیف کرتا ہے۔ اور ملک کا خیرخواہ نہیں۔ بلکہ اسے نقصان پہنچانے والا ہے ÷

اس زمانہ میں جبکہ یورپ کی کپڑا بننے والی ایک مشین سینکڑوں آدمیوں کا کام کر جاتی ہے۔ چرخہ یا کھاڈی کی طرف ملک کو بلانا۔ درحقیقت اس کی طاقت کو ضائع کرنیکے مترادف ہے۔ اگر کپڑا بننے کا کام مشین کے سپرد کیا جائے۔ تو یقیناً بہت سے آدمی دوسرے کاموں کیلئے فارغ ہو جائینگے ÷

یہ وسوسہ بھی غلط ہے۔ کہ اس طرح ملک میں بیکاری بڑھتی ہے۔ کیونکہ دنیا میں کاموں کی کمی نہیں ہے۔ بلکہ کاموں کے متعلق غور کرنے کی کمی ہے۔ انسانی ترقی کا واحد ذریعہ مشکلات کا مقابلہ ہے۔ جو قوم اپنے راستہ میں سے مشکلات کو اس طرح دور کرتی ہے۔ کہ مشکلات پیدا ہی نہ ہوں وہ تنزّل کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ ترقی مشکلات پر غور کر کے ان کا حل نکالنے سے ہوتی ہے۔ جو قومیں ترقی کے راستہ میں نئی نئی مشکلات کا مقابلہ کرتی ہیں۔ ان کے دماغ تیز ہوتے جاتے ہیں۔ اور وہ قانون قدرت کی باریک راہوں کو دریافت کرنے میں خاص طور پر مشاق ہوتی جاتی ہیں۔ پس یہ وقت ہے کہ اس کھاڈی کی تحریک کا ملک کی اقتصادی ترقی کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ہی نہیں بلکہ اس کی ذہنی ترقی کو بھی مدِّنظر رکھتے ہوئے مقابلہ کیا جائے۔ ورنہ ہندوستان کا وہی حال ہوگا۔ جو مسلمان حکومتوں کا ہُوا تھا۔ جن میں سے بعض نے ہر نئی ایجاد کو شیطانی قرار دیکر اس کے استعمال سے انکار کر دیا تھا۔ اور آخر انہیں وہ دن دیکھنا پڑا کہ ان کی حکومتیں جاتی رہیں اور انکے تمدّن برباد ہو گئے ÷

اگر مسٹر گاندھی بجائے کھاڈی کے سوادیشی پر زور دیتے تو یقیناً ان کی بات معقول ہوتی اور وہ ملک کی ذہنی ترقی کے راستہ میں روک کا موجب نہ بنتے۔ بلکہ اس کی ترقی کا موجب بنتے۔ مگر موجودہ حالت میں تو وہ ملک کو بربادی کی طرف لیجاتے ہیں۔ ہم جبتک دوسری اقوام سے زیادہ عمدہ اور زیادہ جلدی کام کر کے نہیں دکھائینگے۔ دوسری اقوام کے مقابلہ میں کبھی سر نہیں اُٹھا سکتے ہاتھوں سے کام کرنے کی وجہ سے ہماری تینتیس کروڑ آبادی کی قیمت ایک کروڑ سے بھی کم رہ جاتی ہے اور اس طرح ہم دنیا کے چھوٹے چھوٹے ممالک سے بھی کمزور رہ جاتے ہیں۔ مگر کیا مسٹر گاندھی پسند کرینگے۔ کہ بتیس کروڑ ہندوستانیوں کو قتل کر دیا جائے؟ اگر نہیں۔ تو وہ اس تحریک کو کیوں پیش کرتے ہیں جس میں عملاً بتیس کروڑ آدمیوں کی قیمت کو ایک کروڑ سے بھی کم کر دیا گیا ہے جسمانی قتل سے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

عملی قتل کم خطرناک نہیں ہے۔ اگر غیر طبعی ذرائع سے سر یا پیر چھوٹے کرنا۔ جیسا کہ ہندوستان کے فقیروں اور چین کی عورتوں میں رواج تھا۔ بُرا ہے۔ تو یقیناً قوم کی عملی قوت کو کھادی کے وعظ سے کمزور کرنا۔ اس سے بھی زیادہ بُرا ہے۔ کیونکہ اوّل الذکر تجاویز صرف ایک حصہ قوم کو نکما بناتی ہیں۔ اور یہ تحریک ساری قوم کو۔

مَیں اس دعوے پر تعجّب کرتا ہوں کہ مشینری کی ایجاد نے انسانی عقل کو کمزور کر دیا ہے۔ یہ دعویٰ درست نہیں۔ مشینری سے صرف یہ فرق پڑا ہے۔ کہ اگر ہاتھ سے کپڑا بننے والا اپنی ذہنی قوتوں کو اچھا کپڑا بُننے میں خرچ کرتا تھا۔ تو مشین سے کام لینے والا مشین کے صحیح استعمال میں اپنی ذہنی قوتوں کو استعمال کرتا ہے۔ ہاتھ سے کپڑا بُننے والے کو اگر موقعہ تھا۔ کہ وہ کوئی عمدہ ڈیزائن تجویز کرے۔ تو مشین سے کام کرنیوالے کو یہ موقعہ حاصل ہے۔ کہ وہ ایک عمدہ مشین ایجاد کرے۔ اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ مؤخر الذکر ترقی کا راستہ اوّل الذکر سے بہت وسیع ہے۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں مثالیں اس کی موجود ہیں۔ کہ معمولی مشین چلانے والوں نے اعلیٰ درجہ کی ایجادیں کی ہیں۔ یہ ذہنی ترقی کا ثبوت نہیں تو کیا ہے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ ایک جولاہا ایک مشین چلانے والے سے زیادہ سمجھدار اور ذہین ہوتا ہے۔ بہرحال اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ مشینوں کی ایجاد نے ذہنی ترقی کا راستہ مسدود نہیں کیا بلکہ اسکے لئے ایک نیا راستہ کھولا ہے جو پہلے سے زیادہ وسیع اور زیادہ شاندار ہے۔

ہم مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہیں۔ کہ وہ اس حقیقت کو سمجھیں۔ اور ہر اس طریق کو استعمال کریں۔ کہ جس کے ذریعہ سے ان کے افراد کی قیمت اقتصادی اور عملی طور پر بڑھ جائے۔ وہ ہندوستان میں اقلیت ہیں اور اس وجہ سے انہیں اس سبق کو اور بھی زیادہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے۔

تعلیم یافتہ ہندوستان میں مرد اور عورتوں کی تعداد مفصلہ ذیل ہے

	مرد فی ہزار	عورت فی ہزار
اجمیر مارواڑ	۱۸۷	۱۸
انڈمین۔ نکوبار	۲۱۴	۵۵
آسام	۸۵	۵
بلوچستان	۱۴۹	۴۳
بنگال	۱۰۹	۶
بہار۔ اڑیسہ	۹۹	۸
بمبئی	۱۱۴	۱۵
برما	۳۰۲	۸۷
سی۔ پی۔ برار	۲۲۵	۲۷
کُرگ	۲۰۴	۲۴
دہلی	۱۸۲	۳۱
مدراس	۲۰۱	۱۸
N.W.F.P	۳۳	۲
پنجاب	۳۷	۴
صوبجات متحدہ	۷۳	۸

Digitized by Khilafat Library Rabwah

امریکہ میں کثرت جرائم اور انسداد شراب

یہ بات عام طور پر حیرت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ کہ جب سے ممانعت شراب کا قانون امریکہ میں پاس ہوا ہے۔ وہاں جرم کی کثرت ہو گئی ہے۔ اور بعض علاقوں میں تو جرم سو فی صدی سے بھی بڑھ گیا ہے۔ یہ کثرت جرائم اگر ایک طرف ممانعت شراب کے حامیوں کو حیران کر رہی ہے۔ تو دوسری طرف مخالفین ممانعت کو خوشی کا بھی موقعہ دے رہی ہے۔ اور وہ یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ ممانعت شراب اخلاق کی ترقی کا موجب نہیں ہے بلکہ اس کے بگاڑنے کا باعث ہے۔ شراب کو حد کے اندر پینا۔ انسان کی قوت ارادی کو بڑھاتا ہے۔ نہ کہ اسے ضعیف کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو جہاں تک اس کی ذات کا تعلق ہے۔ شراب کی ممانعت اس کے اعتدال سے پینے یا کثرت سے پینے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اس کی کتاب مبین جس کی سچائی کے زبردست شواہد اسکے پاس ہیں۔ اس چیز کو حرام کر چکی ہے۔ اور وہ خوب جانتا ہے۔ اور اس کا تجربہ اس کا ممد ہے۔ کہ اس کتاب کے احکام حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ پس اس بارہ میں دوسروں کے تجربات اسکے تجربات کے مقابلہ میں کوئی بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ لیکن اس کا مذہب تبلیغی مذہب ہے۔ اور اس نے دوسروں پر بھی اس امر کو روشن کرنا ہے۔ کہ اس کے تمدنی قواعد ہی بہترین قواعد ہیں جن کی طرف دنیا جلد یا بدیر توجہ کرنے پر مجبور ہو گی۔ پس اس لحاظ سے وہ اس جدوجہد کی طرف سے غفلت نہیں برت سکتا۔ جو اس وقت امریکہ میں ممانعت شراب کے بارہ میں جاری ہے۔ اس جدوجہد کی کامیابی یا ناکامی پر دوسروں کے سامنے اس کے تمدن کی برتری یا کمزوری کے ثابت ہونے کا بہت کچھ دارومدار ہے۔ پس اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اس وقت اس سوال پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ کہ کیا امریکہ میں کثرت جرائم ممانعت شراب کے باعث سے ہے یا کسی اور سبب سے۔

جو لوگ علم النفس کے ماہر ہیں۔ ان کی یہ رائے ہے۔ کہ کثرت جرائم کی وجہ یہ ہے۔ کہ امریکہ ممانعت کیلئے تیار نہ تھا۔ اس کی آبادی کا ایک معتدبہ حصہ شراب کو نہ صرف یہ کہ ناجائز نہیں سمجھتا تھا۔ بلکہ اسے زندگی کے لئے ضروری سمجھتا تھا۔ اس ذہنی کیفیت کی موجودگی میں ممانعت کا قانون پاس ہونے کے سبب سے پہلے تو لوگوں نے اس قانون کو توڑنا شروع کیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ قانون ظالمانہ قانون تھا۔ جب لاکھوں کروڑوں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

آدمیوں نے ایک قانون کو توڑنا شروع کیا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور عام طور پر لوگوں کے سامنے قانون شکنی کی وارداتیں ہونے لگیں۔ اور قانون شکنی کے بعد جو افسردگی اور ندامت کا طبعی اثر ہؤا کرتا ہے وہ دُور ہو گیا۔ اور اس کی بجائے اس فعل کو سپورٹ کی ایک قسم سمجھا جانے لگا۔ تو دوسرا نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ وہ جرائم کا میلان رکھنے والی طبائع جو اس سے پہلے قانون شکنی کے ذہنی اثر کے خوف سے جرائم سے بچا کرتی تھیں۔ ان کی طبیعت پر سے وہ دباؤ جاتا رہا۔ اور وہ قانون شکنی کو ایک معمولی فعل خیال کر کے اپنے اپنے مذاق کے مطابق جرائم کرنے لگیں۔ اور اس طرح جرائم کی کثرت ہو گئی ٭

یہ دلیل بڑی صحیح دلیل ہے۔ اور اس سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو جاتی ہے۔ کہ ہم جبر کے ساتھ لوگوں کو قابو میں نہیں رکھ سکتے۔ جو چیز حکومت کو کامیاب بنا سکتی ہے۔ وہ قلبی اتصال اور یگانگت ہے۔ اسلام کے ابتدائی ایام میں جبکہ مسلمانوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی سے منع فرمایا۔ تو عرب بھی امریکن لوگوں سے شراب نوشی میں کم نہ تھے۔ لیکن ایک بات تھی۔ جو اُسوقت کے مسلمان عرب کو اِسوقت کے امریکن سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ مسلمان یہ یقین رکھتا تھا۔ کہ جو بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں۔ اور اسلامی تعلیم نے اسکے رگ و ریشہ میں یہ بات داخل کر دی تھی۔ کہ خدا تعالیٰ جو بات فرماتا ہے۔ وہ ہمارے ہی فائدے اور ہمارے ہی نفع کے لئے کہتا ہے۔ اور کوئی حکم بلاوجہ اور جابرانہ طور پر نہیں دیتا۔ اس کے مقابلہ میں عام امریکن اپنی حکومت کی نسبت اسے نیک خیال نہیں کرتا تھا۔ شراب کا مؤید یہ یقین رکھتا تھا۔ کہ شراب کا مخالف شراب کو بُرا سمجھنے کی وجہ سے اسکی مخالفت نہیں کرتا۔ بلکہ اسوجہ سے کرتا ہے۔ تاکہ سیلونز کے ذریعہ سے جو سیاسی اثر حکومت کے نظام پر ڈالا جاتا ہے وہ کمزور ہو جائے۔ پس وہ سمجھتا تھا کہ یہ تدبیر میری بھلائی کیلئے نہیں۔ بلکہ میری سیاسی طاقت کے کمزور کرنے کیلئے کی جا رہی ہے ٭

مگر میرے نزدیک اس نفسی باعث کے علاوہ اور باعث بھی ہیں۔ جن سے جرائم کی کثرت واقع ہوئی ہے۔ اور ہمیں انہیں بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ میں اوپر بتا چکا ہوں۔ کہ امریکہ کی ایک معتدبہ جماعت دل سے شراب کی مخالف نہ تھی۔ اور اس وجہ سے وہ صرف قانون کی وجہ سے شراب نوشی سے باز نہ رہ سکتی تھی ایسے لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بعض سرمایہ دار جو اخلاقی قانون کی چنداں وقعت نہیں رکھتے تھے۔ فوراً تیار ہو گئے۔ اور انہوں نے شراب بنا کر مخفی طور پر بیچنی شروع کر دی۔ جو چیز قانون کو توڑ کر بنائی اور فروخت کی جائیگی۔ لازماً وہ گراں ہو گی۔ شراب بھی نہایت گراں قیمتوں پر فروخت ہونے لگی۔ اور اس

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تجارت نے نفع کے لحاظ سے سب تجارتوں کو ماند کر دیا۔ اور بعض لوگ ایک ایک سال میں ہزاروں سے کروڑوں کے مالک ہو گئے۔ گورنمنٹ نے اس تجارت کے روکنے کے لئے پورا زور لگایا۔ جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۲۳ء سے سنہ ۱۹۲۵ء تک تین سال میں گورنمنٹ نے ۳۴۶۳۴ کارخانے ناجائز شراب بنانے کے تلاش کر کے ضبط کئے۔ اور ۷۰۷۷۴ بھٹیاں تباہ کیں۔ اور صرف سنہ ۱۹۲۶ء میں ۱۸۷۱۶۴۲۵۷ گیلن یا ۲۲۵۹۳۳۳ من ناجائز کشید کی شراب ضبط کی اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بیرونی ممالک سے پوشیدہ طور پر برآمد کی ہوئی شراب کی مقدار بڑھنے لگ گئی۔ اور اب زیادہ تر وہی بک رہی ہے۔ چونکہ یہ کام خلاف قانون ہو رہا تھا۔ لازماً ایسے ہاتھوں سے ہوتا تھا۔ جو قانون شکنی کا زیادہ خوف نہیں رکھتے تھے نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مختلف جماعتیں جو الگ کام کر رہی تھیں۔ انہوں نے ایک دوسرے کو بھی لوٹنا شروع کیا جہاں کسی کا شراب کا ذخیرہ معلوم ہوا۔ اس پر جا چھاپا مارا۔ اور شراب چرالی۔ جس کی شراب چرائی جاتی تھی۔ وہ جا کر پولیس میں تو رپورٹ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس کا شراب رکھنا۔ خود جرم تھا۔ اسلئے وہ یہ کوشش کرتا۔ کہ دوسرے فریق سے خود ہی بدلہ لے۔ اور اس کے لئے وہ مجبور ہوتا تھا۔ کہ عادی مجرموں سے کام لے۔ اس صورت حالات کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ تمام شراب کے تاجر ایسے لوگوں کو تلاش کر کر کے ملازم رکھنے لگے۔ جو جرائم سے پرہیز نہیں کرتے تھے۔ ان کا یہ کام تھا۔ کہ شراب کے ذخیروں کی حفاظت کریں۔ اور اگر کوئی شخص مال چرانا چاہے۔ تو اس کا مقابلہ کریں۔ لیکن اس عہد پر پختہ رہیں۔ کہ خواہ اپنی جان خطرہ میں ہو یا کسی ہمراہی کی جان چلی جائے۔ پولیس کو پتہ نہ لگنے دیں۔ اس طریق نے یہاں تک ترقی کی کہ دوسرے ملکوں سے بڑی بڑی تنخواہیں دیکر عادی مجرم منگائے جانے لگے۔ جب کسی کا مال چوری جاتا۔ تو اس کے محافظ دوسرے فریق کے سرکردوں کو جس پر چوری کا شبہ ہوتا قتل کر دیتے۔ وہ لوگ آگے اپنا بدلہ لینے کے لئے۔ انہیں قتل کر دیتے۔ یہ قتل کی وارداتیں چونکہ بڑے بڑے اُمراء کے اشارہ سے ہوتی تھیں۔ اس لئے بڑے پیمانہ پر ان کا انتظام بھی کیا جاتا تھا۔ بڑے بڑے قیمتی موٹروں میں حملے کئے جاتے۔ مشین گنوں سے کام لیا جاتا۔ اور بعض دفعہ ایک ایک قتل کی تیاری میں لاکھوں روپیہ خرچ کر دیا جاتا۔ شکاگو اپنے جائے وقوع کے لحاظ سے کہ سمندر کی طرف سے بھی اور کنیڈا کی طرف سے بھی وہاں تک آسانی سے پہنچا جا سکتا ہے۔ اس تحریک کا مرکز تھا۔ اور انتظام کے لحاظ سے وہ اب سب شہروں میں بدنام ہو چکا ہے ٭

یہ لوگ جو شراب کی مخفی تجارت کے محافظ ہیں انکی تین رقیب جماعتیں ہیں۔ ایک کا نام Ganna دوسری کا نام Banion Weiss ہے اور تیسری کا Al Capone یہ جماعتیں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اپنے لیڈروں کے نام سے مشہور ہیں اور قتل اور شراب کے ذخائر کی چوری ان کا مشغلہ ہے۔ اور ان لوگوں کا اسقدر اثر ہے کہ ۱۹۲۷ء میں شکاگو کے لارڈ میئر کے انتخاب کے موقع پر موجودہ میئر نے ووٹروں سے علی الاعلان وعدہ کیا تھا۔ کہ وہ اگر میئر ہُوا۔ تو اعلیٰ پولیس افسر کو علیحدہ کر دیگا۔ کیونکہ وہ شراب کی ناجائز تجارت کرنیوالوں کی سختی سے جستجو کرتا ہے۔ اور اس نے کامیاب ہو کر ایسا ہی کیا۔ مگر بعض دوسرے لوگوں کے دباؤ سے پولیس افسر پھر کام پر لگا دیا گیا۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ جب اس وسیع پیمانہ پر گشت و خون اور چوری ہو تو نوجوانوں کے دل سے جُرم کا خوف جاتا رہیگا۔ چنانچہ اس صورت حالات کا بھی جُرم کے بڑھنے میں بہت کچھ دخل ہے۔ لیکن اوّل الذکر دلیل اور ثانی الذکر دلیل دونو سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ امریکہ میں جرائم کی زیادتی کی وجہ شراب کی ممانعت نہیں۔ بلکہ شراب سے باز نہ رہنے والوں کے افعال ہیں۔ وہ اپنی اس قبیح عادت کو چھوڑ نہیں سکتے۔ اور اسکے پورا کرنے کے لئے مجبوراً دوسرے جرائم کا بھی ارتکاب کر رہے ہیں۔ اور اگر جلد اس کا قلع قمع نہ ہُوا۔ تو یہی افعال انکی عادت بن جائینگے ❊

عالم اسلام

ایران

ہم اس سلسلہ میں آج اس ملک کے حالات شائع کرتے ہیں۔ جو ابتدائے اسلام میں اسلامی خدمات کے لحاظ سے صرف عرب سے دوسرے درجہ پر تھا۔ اور جس کے نقوش اسلامی تمدّن اور اسلامی تہذیب پر تا ابد قائم رہیں گے۔ ہم قارئین کو یقین دلاتے ہیں۔ کہ ہماری معلومات نہایت یقینی ذریعہ سے حاصل کردہ ہیں۔ اور نہایت تازہ معلومات پر مشتمل ہیں ❊

ایران جو باقی اسلامی ممالک کی طرح ایک لمبی جدوجہد کے بعد تھک کر سو رہا تھا۔ اس نے ۱۸۸۹ء میں جبکہ شاہ نصیر الدین نے جمال الدین افغان کو ایران آنے کی دعوت دی۔ پھر کروٹ لی۔ جمال الدین افغانی کی آواز نے اس کے دردمند نوجوانوں کے دلوں میں چٹکیاں لیں اور ایک بہادر جماعت اس غرض سے کھڑی ہو گئی۔ کہ وہ اپنے ملک کو شاہ راہ ترقی پر ضرور چلائیگی شاہ نصیر الدین جو صرف یورپ کے عیش و عشرت کی نقل کرنا چاہتا تھا۔ اس بیداری کو دیکھ کر ڈرا۔ اور

Digitized by Khilafat Library Rabwah

آخر جمال الدین افغانی کو ایک ذلیل لیکن نہ تھکنے والی جماعت کو اپنا کام ختم کرنے کے لئے پیچھے چھوڑ کر ایران کو خیرباد کہنا پڑا۔ لیکن بیج بویا گیا تھا۔ آزادی اور ترقی کی تمنا پھونکی جا چکی تھی۔ گو اس کے بعد متواتر شاہانِ ایران نے آزادی کی رُوح کو کچلنا چاہا۔ لیکن وہ روز بروز بڑھتی گئی۔ بار ہا وہ استبدادیت کے قائم کرنے میں بظاہر کامیاب ہو گئے۔ مگر نوجوانانِ ایران پھر اُبھر کر اوپر آ گئے۔ نہ معلوم یہ جدوجہد کس وقت تک جاری رہتی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ایران کی آزادی کیلئے اسکے ایک معمولی سپاہی کے دل میں اپنی قوم کے آزاد کرنے کا ولولہ پیدا کیا۔ اور ۲۱ فروری سنہ ۱۹۲۱ء کو یہ سپاہی جس کا نام رضا خان تھا۔ اس وقت کی سُست اور اصلاح ملک کے کاموں سے ہچکچانے والی وزارت کو معزول کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور سعدالدین کی ماتحتی میں وزیر جنگ کے عہدہ پر سرفراز ہُوا۔ یہ دن ایران کی ترقی کا پہلا دن تھا۔ اس کے بعد ایران ہر دم آگے کی طرف ہی بڑھتا چلا گیا۔ ۲۲ جون سنہ ۱۹۲۱ء کو چوتھی پارلیمنٹ کا اجلاس ہُوا۔ اور اس نے سنہ ۱۹۱۹ء کے معاہدہ مابین برطانیہ و ایران کو جسکے رُو سے ایران کی حیثیت صرف ایک ریاست کی سی رہ جاتی تھی منسوخ کر دیا۔ اور رُوس سے ایک نیا معاہدہ کیا۔ جس کے مطابق رُوس نے ان سب حقوق کو جو زارِ روس کے زمانہ میں ایران سے حاصل کیئے گئے تھے۔ ترک کر دیا۔ جو روپیہ ایران نے قرض لیا ہُوا تھا۔ چھوڑ دیا۔ اور جن ایرانی علاقوں پر قبضہ کیا ہُوا تھا۔ وہاں سے قبضہ اُٹھا لیا ؏

اس معاہدہ کا یہ اثر ہُوا۔ کہ ایران نے دوسری حکومتوں کے خاص حقوق اور کیپی چولیشنز کو بھی منسوخ کر دیا اور غیر ملکیوں کو بھی اسی طرح ایرانی ٹیکسوں کا متحمل ہونے پر مجبور کیا جس طرح کہ ملکی اسکے متحمل تھے ؏

اکتوبر سنہ ۱۹۲۵ء کو قاچار خاندان حکومت سے معزول کیا گیا۔ اور باوجود اسکے کہ رضا خان نہیں چاہتا تھا۔ کہ تخت بادشاہی پر بیٹھے بلکہ جمہوریت کو قائم کرنا چاہتا تھا۔ اسے علماء کے فتووں سے مجبور ہو کر شاہ پہلوی اوّل کے نام سے تخت پر بیٹھنا پڑا۔ اور درحقیقت اس میں ایران کی بہتری تھی۔ جب سے شاہ پہلوی اوّل نے عنان حکومت سنبھالی ہے۔ ایران کا قدم ترقی کی طرف سرعت سے جا رہا ہے۔ اور پانچ سال کے عرصہ میں اسکے حالات میں جو تغیر ہُوا ہے وہ مندرجہ ذیل واقعات سے ظاہر ہے :-

ایران میں ایک باقاعدہ پارلیمنٹری حکومت قائم ہے۔ جسکے اساس کے رُو سے شاہ رضا خان کو قریباً اسی قسم کے حقوق حاصل ہیں جو انگلستان میں ہمارے بادشاہ کو ہیں یعنی گو قانوناً بادشاہ کو خاص خاص موقعوں پر دخل دینے کا حق حاصل ہے۔ لیکن علاوہ کُلّی طور پر پارلیمنٹ پر ہی سب

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کام کو چھوڑے ہوئے ہے۔ اس وقت پارلیمنٹ کے کسی فیصلہ میں بادشاہ نے دخل اندازی نہیں کی۔ یہ پارلیمنٹ سب کے سب ملکی نمائندوں پر مشتمل ہے۔ اور انتخاب میں مذہبی یا نسلی امتیاز کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ کوئی ایسا حصۂ ملک نہیں۔ جسے انتخاب کے حق سے محروم رکھا گیا ہو۔ اس وقت پارلیمنٹ کے کل ایک سو چھتیس ممبر ہیں۔ جو مختلف فرق اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ حکومت کا کام وزارت کے ذریعہ سے ہوتا ہے جو پارلیمنٹ کی مرضی کے تابع ہے۔

ایران کی حکومت کا مذہب شیعہ ہے۔ لیکن اس میں بہت سے سُنّی بھی بستے ہیں۔ پہلے زمانہ میں سُنّیوں پر سخت ظلم ہوا کرتے تھے۔ مگر نئے دَور میں یہ سلسلہ بالکل بند ہو گیا ہے۔ اور حکومت سب فرقوں کے اندر ایک قومی جذبہ پیدا کرنے کی طرف مائل ہے۔ بہائیوں کی طرف سے پچھلے دنوں میں یہ مشہور کیا گیا تھا کہ شاہ پہلوی اوّل شیعہ ہیں۔ اور انہوں نے شوقی آفندی موجودہ لیڈر بہائیان کو دعا کے لئے خط لکھا ہے۔ لیکن باخبر حلقوں میں تحقیق کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ یہ خبر بالکل غلط ہے۔

بوجہ حکومت کا مذہب مسلمان ہونے کے کسی مسلمان کو اپنا مذہب بدلنے کی اجازت نہیں (ہمارے نزدیک اسلام کو جبر کی ضرورت نہیں ہے وہ اپنے پاؤں پر خود کھڑا ہو سکتا ہے ایک تبلیغی مذہب کو حکومت کی اس قسم کی تائید سے بالکل آزاد رکھنا چاہیئے) اسوجہ سے بہائی بھی اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے ہیں۔ اور صرف اسقدر بات لوگوں میں ظاہر کرتے ہیں۔ کہ بارھویں امام صاحب ظاہر ہو گئے ہیں۔ اور ہم انپر ایمان رکھتے ہیں۔

اساسی تغیر کے علاوہ فوجی نظام میں بھی بہت کچھ تغیرات ہوئے ہیں۔ ایران میں ساٹھ سال سے فوجی سکول قائم تھے۔ لیکن نہایت بُری حالت میں۔ شاہ پہلوی اوّل کے زمانہ میں ملٹری کالج کھولدیا گیا ہے۔ جس میں قریبًا دو سو طالب علم اسوقت تعلیم پا رہے ہیں۔ جو طالب علم فارغ ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ہوشیار طالب علموں کو یورپ میں تکمیل تعلیم کے لئے بھیجدیا جاتا ہے۔ مگر چونکہ ایرانی نظام فوج فرانسیسی نظام سے ملتا ہے۔ اس لئے اکثر فوجی طالب علم فرانس کو ہی تعلیم کے لئے بھیجے جاتے ہیں یا ٹرکی وغیرہ۔ اسوقت تک کوئی طالب علم اس غرض سے انگلستان۔ جرمنی یا کسی اور یوروپین ملک کو نہیں بھیجا گیا۔

فوج کی حالت آگے سے بہت اعلیٰ ہے۔ منظم فوج کی تعداد بائیس ہزار ہے۔ ریزرو فوج اسکے علاوہ ہے۔ جس کی تعداد جنگی مصالح کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ظاہر نہیں کی جاتی۔ جدید ہتھیاروں کی کافی تعداد موجود

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہے۔ اور علاوہ نو ایجاد توپوں کے ٹینک اور ہوائی جہازوں کا بھی فوج میں اضافہ کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے بحری جہاز حکومت ایران کے پاس نہ تھے۔ لیکن اب روس کے معاہدہ کے بعد بحیرۂ اخضر اور خلیج فارس دونو سمندروں میں جنگی جہاز رکھے جاتے ہیں ؛

علاقہ جات جو پہلے نیم آزاد تھے۔ اب سب حکومت کے ماتحت ہیں۔ شیخ محمرہ جو پہلے برطانیہ کے ماتحت اپنے آپ کو قرار دیتا تھا۔ اب اسے ایرانی فوجوں نے زیر کر لیا ہے۔ اور اس کا علاقہ اب پوری طرح ایران کے ماتحت ہے۔ اسی طرح جنوبی سرحد کے بلوچ روٗساء جو پہلے انگریزی حکومت کی مدد حاصل کرنیکی فکر میں رہتے تھے۔ انہیں بھی ایرانی حکومت نے زیر کر لیا ہے۔ رشوت ستانی کا بازار پہلے بہت گرم ہوتا تھا اب اس میں بہت اصلاح ہے۔ مگر ابھی مزید اصلاح کی ضرورت ہے۔ اور ہم اس کی طرف حکومت ایران کو توجہ دلاتے ہیں ؛

تعلیم

ایران تعلیم میں بھی بہت ترقی کر رہا ہے۔ علاوہ قدیم طرح کے مدارس کے جو اوقاف اور کسی قدر گورنمنٹ کی مدد سے چلتے ہیں۔ مغربی طریق پر بھی بہت سے مدرسے کھولے گئے ہیں پرائمری کی تعلیم کا کورس چار سالہ ہے۔ اور اس قدر تعلیم جہاں جہاں بھی انتظام ہو سکے جبری ہے ؛

پرائمری سے اوپر ثانوی تعلیم کا کورس آٹھ سالہ ہے۔ جس کے بعد کالج کی تعلیم چار سال میں ختم کی جاتی ہے۔ طریق تعلیم اور تعلیمی درسگاہوں کا نظام فرانسیسی نظام سے ملتا ہے۔ اور امتحان دینے کے لئے سکول میں پابندی کے ساتھ حاضری ضروری ہے۔ ملک کے نوجوانوں میں تعلیم کا شوق ترقی پر ہے ؛

فنی اور صنعتی تعلیم

طبی۔ قانونی اور صنعتی کالج بھی ایران جدید میں جاری کئے گئے ہیں۔ اور انکے لئے فرانس۔ جرمنی اور امریکہ سے بھی پروفیسر منگوائے گئے ہیں ؛

عورتوں کی حالت

عورتوں کی حالت بھی بہتر ہو رہی ہے۔ اور وہ تعلیم میں مردوں کے دوش بدوش ترقی کر رہی ہیں۔ ان کے لئے مردوں سے الگ مدارس اور کالج بنائے گئے ہیں۔ جن میں عورتیں ہی پڑھاتی ہیں۔ عورتوں میں عام طور پر پردہ کا رواج ہے۔ لیکن اسلامی طریق کی اتباع میں پرانے رسمی پردہ میں بہت کچھ اصلاح کر دی گئی ہے ؛

تجارت

تجارت میں بھی ایران ترقی کر رہا ہے۔ اور ملک کی دولت ترقی کر رہی ہے۔ اور لوگ آسودہ حال ہو رہے ہیں ؛

سڑکیں اور ریلیں

سڑکیں گو اچھی ہیں جن پر موٹر چلتے ہیں۔ خصوصاً طہران سے بوشہر تک اور طہران سے خانکین تک۔ لیکن ریل کا سلسلہ بہت کم ہے۔ یعنی اسقدر وسیع ملک

Digitized by Khilafat Library Rabwah

میں صرف تراسی میل ریل ہے۔ جو ہندوستان کی بعض معمولی ریاستوں سے بھی کم ہے۔ نئی ریلوے کے بنانے کی تجاویز کئی سال سے ہو رہی ہیں۔ لیکن بعض سیاسی اور اقتصادی امور کی وجہ سے انکے عمل میں آنے میں روک ہوتی رہی ہے۔ سب سے آخری کنٹرکٹ ایک جرمن امریکن سنڈیکیٹ سے ہوا تھا۔ جس نے خلیج فارس سے بحیرہ اخضر تک ریلوے لائن تیار کرنی تھی۔ لیکن چونکہ برطانوی اور فرانسیسی سرمایہ داروں نے اس ریل کے بہت سے حصے خرید لئے تھے ایرانی گورنمنٹ نے سیاسی بنا پر اس کنٹرکٹ کو منسوخ کر دیا اب تازہ اطلاع ہے کہ ایک جرمن کمپنی سے ایرانی حکومت نیا سمجھوتا کر رہی ہے کہ وہ اس ریلوے لائن کا شمالی حصہ جلد تیار کر دے۔ بہر حال ریلوں کی کمی ایک طرف تو ایران کے تعلقات کو دوسرے ممالک سے محدود کر رہی ہے۔ اور دوسری طرف اس کے اقتصادی نشو و نما میں روک پیدا کر رہی ہے پس شاہ پہلوی اوّل کی حکومت سے امید کرنی چاہیئے۔ کہ وہ جلد اس نقص کو دور کر کے ایران کو متمدن ممالک کے دوش بدوش لا کر کھڑا کر دیگی ❊

محاصل درآمد و برآمد

جبکہ یورپین حکومتوں نے ایران میں خاص حقوق حاصل کیئے ہوئے تھے ایران کو اپنے ملک کے درآمد و برآمد کے محاصل پر کلی اختیار نہ تھا لیکن رضا شاہ پہلوی کے ایام حکومت میں یہ نقص بھی دور ہو گیا ہے۔ اور اب ایران اپنے محاصل کے زیادہ یا کم کرنے میں خود مختار ہے ❊

اخبارات و پریس

ایران سے بہت سے اخبارات نکلتے ہیں۔ اور اس کا پریس اچھا خاصا مضبوط ہے۔ اور ملک کی ترقی میں حصہ لے رہا ہے۔ اخبارات اور دوسری تصنیفات عربی حروف میں ہی شائع ہوتے ہیں۔ مگر ٹائپ کے حروف پر چھپتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا لاطینی حروف کے استعمال کی تحریک ہوئی تھی۔ مگر اسے قابل عمل نہیں سمجھا گیا۔ اور اس وقت اس قسم کی کوئی تحریک نہیں ہے ❊

لباس

ایران قدیم لباس کی جگہ یورپین لباس بسرعت لے رہا ہے۔ اور حکومت ایسے ذرائع اختیار کر رہی ہے۔ کہ جن کی وجہ سے مغربی لباس کا جلد سے جلد رواج ہو جائے۔ مثلاً مغربی لباس کے سوا دوسرے لباس تیار کرنے والے درزیوں پر ٹیکس لگائے گئے ہیں۔ لیکن ٹوپی کے بارہ میں حکومت ایران نے مغرب کی نقل نہیں کی۔ بلکہ پہلوی ٹوپی کا رواج دیا ہے۔ جو بغیر چھجہ کے ہوتی ہے ہمیں ایرانی گورنمنٹ کی اس پالیسی سے اختلاف ہے کیونکہ اس قسم کی نقل قومی وقار کے احساس کو نقصان پہنچاتی ہے

رضا شاہ کی اولاد اور وارث

رضا شاہ کے پانچ بچے ہیں۔ جن میں سے تین لڑکیاں۔ اور دو لڑکے ہیں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بڑا لڑکا جو ولی عہد ہے اس کی عمر تیرہ سال ہے۔ اور نام شاہ پور رضا ہے +

ایران کے تعلقات ہمسایہ اقوام سے

حکومت ایران کے تعلقات اسوقت سب ہمسایہ اقوام سے اچھے ہیں۔ رُوس سے بھی اور انگلستان۔ ٹرکی۔ عراق۔ نجد اور ہندوستان و افغانستان سے بھی ایران کو نادر شاہ بادشاہ کی مصلحانہ جدوجہد سے پوری ہمدردی ہے اور بغاوت افغانستان کے وقت جو افواہ اُڑائی گئی تھی۔ کہ ایران افغانستان کا کوئی حصّہ خود لینا چاہتا ہے یا امان اللہ خان کی مدد کے بہانہ سے افغانستان میں فوجیں بھیجنی چاہتا ہے۔ وہ بالکل غلط تھی۔ ایران باقی اسلامی ممالک کی ترقی کو خوشی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ نہ کہ حسد کی نگاہ سے +

اسلامی تعلیم انتقام عالمگیر اصُول پر مبنی ہے

(۲)

مَیں پچھلے مضمون میں یہ ثابت کر چکا ہوں۔ کہ مسٹر گاندھی کی تحریک عدم تعاون و قانون شکنی درحقیقت ایک قسم انتقام کی ہے۔ جو صرف حالت جنگ میں جائز ہو سکتی ہے۔ اور اگر اسے حکومت کے خلاف جائز رکھا جائے۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ مار پیٹ اور قتل و غارت کو جائز نہ رکھا جائے۔ اور اس صورت میں اس کی بھی کوئی وجہ نہیں کہ کیوں گورنمنٹ پر گرفتاریوں یا پولیس کی مار پیٹ کی وجہ سے اعتراض کیا جائے جنگ کی حالت میں تو مار دینا اور اموال کو ضبط کر لینا بھی گورنمنٹ کے لئے جائز ہے +

اب مَیں یہ بتاتا ہوں کہ اسلام نے انتقام کی کیا تعریف کی ہے۔ اور اس کی کن کن اقسام کو کن کن مواقع پر جائز رکھا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اسلام کے رُو سے انتقام کی تعریف یہ ہے۔ کہ ہر وہ کام جسکی غرض دوسرے کے کسی ناپسندیدہ کام کی وجہ سے اسے ضعف پہنچانا ہو۔ انتقام ہے۔ عربی لفظ انتقام جو اس مفہوم کو ادا کرتا ہے۔ نقم سے نکلا ہے۔ اور اس کے معنے ناپسند کرنے کے ہیں۔ اور انتقام کے معنے ہیں ناپسندیدگی کا نتیجہ پہنچانا۔ پس جب ہم کسی کے فعل کو ناپسند کر کے اسے تکلیف دینے کے لئے کوئی کام کرتے ہیں۔ تو اسے اسلامی اصطلاح میں انتقام کہتے ہیں۔ اور جیسا کہ مَیں پہلے مضمون میں ثابت کر چکا ہوں۔ یہی تعریف انتقام کی عقلی طور پر صحیح ثابت ہوتی ہے۔ اس تعریف کے ماتحت خواہ ہم کوئی ایسا فعل کریں۔ کہ جس سے بلا واسطہ کسی کو تکلیف پہنچے۔ خواہ ایسا فعل کریں۔ کہ جس سے بالواسطہ تکلیف پہنچے۔ دونو صورتوں میں وہ انتقام ہی کہلائیگا +

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اس تعریف کے بعد اب میں یہ بتاتا ہوں۔ کہ انتقام کو اسلام نے کس کس صورت میں اور کہاں کہاں جائز رکھا ہے۔ سو اوّل تو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اسلام نے انتقام کو اسی وقت جائز رکھا ہے۔ جبکہ اس کا نتیجہ نیک اور بابرکت ہو۔ اگر اس سے اصلاح مقصود نہ ہو۔ بلکہ صرف تکلیف دینا مقصود ہو۔ تو اسلام نے ایسے انتقام کو جائز نہیں رکھا۔ اور جائز انتقام اسلامی احکام کے مطابق تین قسم کا ہے۔ اوّل وہ انتقام جو ایک حکومت دوسری حکومت سے لیتی ہے۔ ایسی صورت میں موقع اور جرم کے مطابق انتقام خواہ بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ۔ دونو کو اسلام نے جائز رکھا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ " تم ان پر اسی قدر تعدّی کرلو جس قدر کہ انہوں نے تم پر تعدّی کی ہے۔" ایسے وقت میں اسلام کی رُو سے دشمن کے حملہ کے بعد تلوار سے بھی اور اقتصادی طور پر بھی دشمن کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر حملہ کرنیوالوں کا مقابلہ تلوار سے بھی کیا۔ اور اقتصادی تدابیر سے بھی کیا ؛

دوسری قسم یہ ہے۔ کہ ایک بادشاہ یا حکومت کی طرف سے ظلم ہوتا ہو۔ اور اس سے انتقام لینا مقصود ہو۔ تو اس کے متعلق اسلام کی یہ تعلیم ہے۔ کہ جہاں تک ہو سکے صبر سے کام لے۔ اور آئینی طریق سے مقابلہ کرے لیکن اگر پھر بھی وہ باز نہ آئے۔ تو بجائے ملک میں فساد پیدا کرنیکے اس ملک کو چھوڑ کر چلا جائے۔ اور اگر حکومت باہر نہ جانے دے۔ تو پھر جس ذریعہ سے جنگ کر سکے۔ جنگ کرے ؛

تیسری قسم یہ ہے۔ کہ ایک حکومت میں رہنے والا کوئی شخص یا کوئی جماعت دوسری جماعت پر ظلم کرے۔ اس صورت میں اسلام نے دو صورتیں بتائی ہیں۔ اگر وہ ظلم ایسا ہو۔ کہ حکومت نے اس کے متعلق کوئی تعزیر مقرر کی ہوئی ہو۔ تو حکومت کے پاس مرافعہ کر کے پہلے اپنے حق کا فیصلہ کرائے۔ پھر اسی کے ذریعہ سے اپنے تکلیف دینے والے کو سزا دلوائے۔ اور اس امر کو اس قدر اہم قرار دیا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص خود انتقام لیلے۔ تو اس کو مجرم قرار دیکر سزا کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کہ یا رسول اللہ صلعم اگر میں کسی شخص کو بدی کرتے ہوئے۔ اپنی آنکھ سے دیکھ لوں۔ تو کیا اسے وہیں سزا دیدوں؟ تو آپ نے فرمایا۔ کہ نہیں۔ اگر تم ایسا کروگے۔ تو خود مجرم بن جاؤگے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس صورت میں کہ ایک حکومت کے ماتحت کچھ لوگ رہتے ہوں۔ ان کا حق نہیں۔ کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے بلاواسطہ انتقام لیں۔ سوائے اس صورت کے کہ وہ قانون کی مدد سے اور حکومت کے ذریعہ سے انتقام لیں۔ ہاں اگر کسی وجہ سے حکومت کے پاس نہ جا سکیں تو ایسی حالت میں بالواسطہ انتقام یعنی ایسے ذرائع کا اختیار کرنا۔ جو خلاف قانون نہ ہوں۔ لیکن ان کے ذریعہ سے اس ظلم کرنیوالے کو ایسی تکلیف پہنچائی جائے۔ کہ وہ اپنے فعل کی خرابی کو محسوس کرے۔ جائز ہے ؛

Digitized by Khilafat Library Rabwah

دوسری صورت یہ ہے۔ کہ ظلم کرنے والا شخص یا جماعت ظاہری ظلم نہیں کرتا۔ جیسے مار پیٹ وغیرہ بلکہ بالواسطہ ظلم کرتا ہے۔ جیسے بائیکاٹ وغیرہ۔ تو اس کے لئے اسلام نے اجازت دی ہے۔ کہ اگر باوجود کوشش اور سمجھانے کے وہ باز نہ آتا ہو۔ تو ایسا حربہ جس سے خالی دوسرے کا نقصان مدِنظر نہ ہو۔ بلکہ اپنی حفاظت اور اپنا فائدہ بھی مدِنظر ہو۔ اس کے خلاف استعمال کیا جا سکتا ہے چنانچہ جب مکہ کے لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کا بائیکاٹ کیا۔ اور آپ سے اور آپ کے اتباع کے ساتھ کھانا پینا متروک کر دیا۔ تو آپ نے بھی اپنے صحابہؓ کو حکم دیا۔ کہ ان کے اس اقتصادی حملہ کے جواب میں اپنی مالی حالت کو تباہی سے بچانے کے لئے وہی حربہ اُن کے خلاف استعمال کریں۔ اور ان سے لین دین کو اسوقت تک روک دیا۔ جب تک کہ وہ اپنے رویہ سے باز نہ آجائیں۔ چنانچہ جب ان لوگوں نے اپنا رویہ بدل لیا۔ تو آپؐ نے بھی اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ حالانکہ دوسری قسم کے مظالم برابر جاری تھے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ اس طریق سے انتقام لینا۔ جائز ہے۔ کہ جس راہ سے فساد پیدا ہوتا ہو ✢

لیکن جہاں مذکورہ بالا مواقع پر انتقام لینے کی اجازت دی ہے۔ وہاں انتقام کے لئے کچھ حد بندیاں بھی لگائی ہیں۔ مثلاً آزاد قوموں کے متعلق خواہ جنگ کی صورت ہی کیوں پیدا نہ ہو جائے۔ یہ پابندی لگائی ہے۔ کہ عملی جنگ صرف انہیں لوگوں کے خلاف کی جائے۔ جو اسی قوم کے رواج کے مطابق جنگی سپاہی کہلا سکتے ہوں۔ جو ایسے لوگ نہ ہوں۔ جیسے مثلاً بوڑھا یا بیمار یا پادری اور مذہبی آدمی یا عورتیں اور بچے یا اگر باقاعدہ فوج رکھنے والا ملک ہے تو عام شہری ان کے خلاف جنگ باوجود اعلان جنگ کے ناجائز ہوگی۔ سوائے اس صورت کے کہ وہ عملاً جنگ میں شریک ہوں ✢

دوسری پابندی جنگ کی صورت میں یہ لگائی ہے۔ کہ جب حملہ آور فریق جنگ بند کر دے اور سچے دل سے اپنے فعل سے تائب ہو۔ تو جنگ کو بند کر دیا جائے۔ اور ضد سے اسے لمبا نہ کیا جائے ✢

تیسری پابندی یہ لگائی ہے۔ کہ جنگ کی حالت میں بھی تعذیب کی صورت اختیار نہیں کرنی چاہیئے۔ یعنی ناک کان کاٹنے یا جلا دینا یا ایسی ہی اور صورتیں تعذیب کی جائز نہیں ہونگی ✢

چوتھی پابندی۔ جو ہر قسم کے انتقام کے متعلق ہے۔ یہ ہے۔ کہ جس شخص یا جس قوم سے ایذا پہنچی ہو۔ صرف اسی کے خلاف جنگی یا قانونی یا اقتصادی کارروائی جائز ہے۔ یہ درست نہیں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کہ ان کے متعلقین کو دُکھ دیکر اُن کو دُکھ پہنچاؤ۔ چنانچہ میاں بیوی کے اختلاف کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اگر ایک دوسرے سے شاکی ہو۔ تو اس سے علیحدہ تو ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ جائز نہیں۔ کہ عورت مرد کو یا مرد عورت کو بچّہ کو تکلیف دیکر دُکھ پہنچائے۔ اس سے یہ قانون معلوم ہُوا۔ کہ متعلقین کے ذریعہ سے تکلیف دینا درست نہیں۔ کیونکہ ان کا قصور نہیں۔ ہاں براہ راست اس شخص کو جو ظالم ہے۔ اگر اسکے کسی فعل کی جائز ذرائع سے سزا دیجائے۔ تو اس سے جو تکلیف اسکے متعلقین کو پہنچے وہ قابل اعتراض نہیں۔ مثلاً ایک قاتل کے بیٹے یا بھائی کو اُسکے بھائی یا باپ کے جُرم کی وجہ سے ایک تھپّڑ مارنا بھی درست نہیں۔ لیکن قاتل کو پھانسی دینے پر جو سالہا سال تک اس کے بیوی بچّوں کو مالی اور اقتصادی اور عزّت کا صدمہ پہنچے گا وہ قابل اعتراض نہ ہوگا ؛

یہ وہ صورتیں ہیں۔ جن میں اسلام نے انتقام کو جائز رکھا ہے۔ اور ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ انہیں صورتوں کی پابندی امن عامہ کو قائم رکھ سکتی ہے۔ عام طور پر لوگ خیال کرتے ہیں کہ انتقام جسقدر شدید ہوگا۔ اسی قدر ظلم کم ہوگا۔ لیکن یہ بات درست نہیں۔ انسانی دماغ کا مطالعہ کرنیوالے لوگ جانتے ہیں۔ کہ ظلم اور رحم دو نو مختلف حالتوں میں انسانی دماغ پر مختلف اثر پیدا کرتے ہیں۔ پس اگر خوف یا رحم کا اثر پیدا کرنا مقصود ہو۔ تو ضروری ہوگا۔ کہ ہم دماغ میں اس قسم کا ماحول پیدا کرلیں۔ جس میں خوف یا رحم کے جذبات نشوونما پاتے ہیں۔ اور اس کا لحاظ اسلام نے اپنی تعلیم میں رکھا ہے۔ جب خوف حد سے بڑھتا ہے۔ تو وہ بھی بے اثر ہوجاتا ہے۔ اور جب توقع حد سے بڑھ جاتی ہے۔ تو وہ بھی سُست کردیتی ہے۔ علاوہ اور غلطیوں کے کانگرسی تحریک میں یہ بھی غلطی ہے۔ کہ اس میں خوف کو انتہاء تک پہنچا دیا گیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ تاجر پیشہ انگریز جنکو مرعوب کرنا مقصود تھا۔ اب اس مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ کہ اپنی تجارتوں کو بچانے کی بجائے۔ ان کے دماغ پر بھی جذبۂ انتقام متسلط ہوگیا ہے۔ اور عدم تعاون کی سٹیج بالکل بے اثر ہوگئی ہے۔ مگر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میں یہ بتا رہا تھا۔ کہ اسلام نے انتقام کے لئے حد بندیاں مقرر کی ہیں۔ اور ان میں سے ایک حد بندی یہ ہے۔ کہ قانون شکنی سے کسی صورت میں انتقام نہ لیا جائے۔ خواہ وہ انتقام بالواسطہ ہی کیوں نہ ہو۔ پس موجودہ تحریک قانون شکنی کی اسلام کی تعلیم کے بالکل برخلاف ہے۔ اور اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے۔ تو دنیا کے امن کے بھی برخلاف ہے۔ کیونکہ حکومت کے خلاف اسی ملک میں رہ کر اگر قانون شکنی کی قسم کی جنگ کو یا پکٹنگ کی طرح کے بائیکاٹ کو جائز رکھا جائے۔ جو وہ بھی حکومت سے ہی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مقابلہ ہے۔ کیونکہ حکومت کا فرض ہے۔ کہ رعایا کی آزادی کو قائم رکھے۔ تو کبھی بھی امن قائم نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ کوئی حکومت ایسی نہیں ہو سکتی جو سب حصۂ رعایا کو ہر وقت خوش رکھے۔ اور اگر رعایا کو اجازت ہو۔ کہ جس قانون کو وہ اچھا نہ سمجھیں۔ وہ اسکو توڑ کر حکومت سے انتقام لینے لگیں۔ تو قانون کا وہ ادب جو بنیاد ہے۔ تمام تہذیب اور شائستگی کی۔ مٹ جاتا ہے۔ پس اسی وجہ سے اسلام نے حکومت سے انتقام لینے کو ناجائز رکھا ہے۔ خواہ وہ انتقام بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ ؇

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیسے خاتم النّبیّین ہیں۔ ایسے ہی انسان خاتم المخلوقات

غیر احمدی صاحبان نے آیت خاتم النّبیین کو محاورۂ عرب سے ناواقف ہونے یا جان بوجھ کر جاہل بننے اور اس آیت کو پوری تدبّر سے نہ دیکھنے کی وجہ سے انسداد نبوّت کے لئے بہت ہی بڑا ہتھیار سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ اگر وہ ذرا سی توجہ سے کام لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ یہ آیت ہرگز ہرگز مانع نبوّت نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کے یہ معنے بن سکتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے بعد مطلقاً کوئی نبی نہیں آسکتا ؇

کیا یہ تعجّب کا مقام نہیں ہے کہ باوجود اسکے کہ آنحضرت صلعم نے اپنے چچا عباس کو فانک خاتم المہاجرین فرمایا ہے۔ پھر بھی ان کے بعد بے شمار مہاجر ہوئے۔ اسی طرح آپؐ نے حضرت علیؓ کو "خاتم الاولیاء" قرار دیا ہے۔ مگر پھر بھی ان کے پیچھے بے حساب اولیاء اللہ دنیا میں نمودار ہوئے۔ اور یہ محاورہ بعد میں اتنا عام ہو گیا ہے کہ بعض بزرگوں کو خاتم المحدّثین۔ خاتم المحققین۔ خاتم الفقہاء و المفسرین کہا گیا ہے۔ لیکن باایں ہمہ ان خواتیم کے گذر جانے کے بعد۔ محدّثین۔ محققین۔ فقہاء اور مفسرین کے آنے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا جس طرح کہ ان کے پیدا ہونے سے پہلے تھا ؇

ایک شاعر نے ابو تمام کے مرثیہ میں کیا ہی لطیف شعر کہا ہے ؎ :-

فجع القریض بخاتم الشعراء ؇ وغدیر روضتہا حبیب الطائی

عجیب بات ہے کہ ابو تمام کو خاتم الشعراء تو کہدیا۔ مگر ان کے مرنے کے بعد اپنے شاعر ہونے سے انکار نہیں کیا بلکہ اپنے شاعر ہونے کا تازہ ثبوت دیکر صاف بتایا ہے کہ خاتم کے صحیح معنے وہ نہیں ہیں جو غیر احمدی صاحبان نے سمجھ لئے ہیں بلکہ کچھ اور ہی ہیں ؇

Digitized by Khilafat Library Rabwah

الغرض خاتم کا لفظ ایک عجیب معنے اور لطیف مفہوم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جس کے سمجھنے سے غیر احمدی لوگوں کے دماغ محروم ہیں +

اگر ہم پوری کوشش سے تلاش کریں تو اس قسم کے خاتم کا استعمال بہت سارا مل جائیگا۔ جس کا خود کوئی اختتام نہ ہوگا +

سر دست عاجز ایک دو اور خاتم کا استعمال ہدیہ ناظرین کرتا ہے۔ جن سے صاف پتہ لگتا ہے کہ خاتم کے معنے ہرگز ختم کرنیوالا۔ سب سے پیچھے آنیوالا۔ دوسرے کے آنے کو روکنے والا نہیں ہیں +

چنانچہ امام رازی اپنی تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۱ پر آیت رب اشرح لی صدری الایۃ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ فاعطاھم (ای القادرین) العقل وبعث فی ارواحھم البصیرۃ وجوھر الھدایۃ۔ فعند ھذہ الدرجۃ فازوا بالخلع الاربعۃ۔ الوجود والحیاۃ والقدرۃ والعقل۔ فالعقل خاتم الکل والخاتم یجب ان یکون افضل الاتری ان رسولنا صلعم لما کان خاتم النبیین کان افضل الانبیاء علیھم السلام والانسان لما کان خاتم المخلوقات الجسمانیۃ کان افضلھا فکذالک العقل لما کان خاتم الخلع الفائضۃ من حضرۃ ذی الجلال کان افضل الخلع واکملھا۔

امام رازی صاحب یہ بتانے کے بعد کہ خدا تعالیٰ نے ممکنات کو چار خلعتیں (لباس) دی ہیں۔ ان میں سے تین خلعتوں کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں "پس خدا تعالیٰ نے ان کو (ان ممکنات کو جن کو وجود۔ اور حیات کے بعد قدرت عطا ہوئی ہے) عقل بخشی۔ اور پھونک دیا انکی روحوں میں نصرت کا نور اور ہدایت کا جوہر۔ پس اس درجہ پر وہ چاروں خلعتوں کے ساتھ کامیاب ہو گئے۔ یعنی وجود۔ حیات۔ قدرت اور عقل۔ پس عقل ان تمام کا خاتم ہے۔ اور خاتم کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر ایک سے افضل ہو۔ کیا تجھے معلوم نہیں ہے جبکہ ہمارے رسول اکرم صلعم تمام نبیوں کے خاتم ہیں۔ تو آپؐ تمام انبیاءؑ سے افضل ہوئے۔ اور انسان جبکہ جسمانی مخلوقات کا خاتم ہے۔ تو وہ بھی تمام مخلوقات سے افضل ہُوا۔ سو اس طرح عقل بھی جبکہ وہ خدائے ذی الجلال کی حضرت سے آنیوالے لباس کا خاتم ہے۔ تمام لباسوں سے افضل و اکمل ہو"

مذکورہ بالا عبارت میں علاوہ متنازع فیہا مسئلہ کے دو دفعہ خاتم کا لفظ آیا ہے۔ اوّل عقل کو خاتم الخلع قرار دیا ہے۔ دوم انسان کو خاتم المخلوقات الجسمانیہ کہا ہے۔ اور ان کے خاتم بننے کے لئے یہ شرط گردانی ہے کہ وہ اپنے مختوم سے افضل و اکمل ہوں +

یہ کیسی واضح اور صاف بات ہے کہ امام رازی صاحب نے خاتم کے لفظ کو کن معنوں میں استعمال کیا ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ان کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ عقل کے پیدا ہونے کے بعد۔ وجود حیات اور قدرت کا سلسلہ دنیا میں بند ہو گیا ہو۔ اسی طرح یہ بھی مواد نہیں ہو سکتی کہ انسان کے ظاہر ہونے کے بعد دنیا میں دوسری مخلوق کا وجود مفقود ہو گیا ہو۔ بلکہ ان کا مطلب صرف اتنا ہے کہ چونکہ عقل ان چار خلعتوں میں سب سے افضل و اکمل ہے اس لئے وہ خاتم الخلع کہلائی۔ اسی طرح انسان چونکہ تمام مخلوقات میں سب سے افضل و اکرم ہے اس لئے اسے خاتم المخلوقات الجسمانیہ قرار دیا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ خود امام رازی صاحب کا عقیدہ وہی ہو جو غیر احمدی صاحبان کا ہے اور خاتم النبیین کے وہی معنے کئے ہوں جو فیض الٰہی کو بند کرنے والوں نے کئے ہیں۔ لیکن یہ ہمارے مدعا میں خلل انداز نہیں ہے۔ کیونکہ صحیح معنے وہی ہیں جو انہوں نے خود اس جگہ دو مرتبہ کئے ہیں۔ اگر اسکے خلاف انہوں نے خاتم النبیین کے اور معنے کئے ہوں تو یہ محض بیرونی باتوں یا غلط العام عقیدہ کے دباؤ کی وجہ سے کئے ہونگے۔ ورنہ خاتم کا صحیح استعمال اور اسکے اصل معنے وہی ہیں جو کہ خدا تعالیٰ نے ان کے قلم سے اس جگہ دو دفعہ لکھوائے ہیں ؛

چنانچہ ذرا آگے چلکر خود امام رازی تحریر فرماتے ہیں:۔ انہ سبحانہ و تعالیٰ لما اعطاہ الخلع الاربع وھی الوجود والحیاۃ والقدرۃ والعقل فکانہ قال لہ یاموسی اعطیتک ھذہ الخلع الاربع .... ثم انہ تعالیٰ لما اعطاہ الخلعۃ الخامسۃ وھی خلعۃ الرسالۃ قال رب اشرح لی صدری الخ۔ یعنی خدا تعالیٰ نے جب اسکو (موسیٰؑ کو) چاروں خلعتیں دیں یعنی وجود۔ حیات۔ قدرت اور عقل۔ تو گویا خدا نے اس کو یوں کہا کہ اے موسیٰؑ میں نے تجھ کو یہ چار خلعتیں دی ہیں .... پھر جب خدا تعالیٰ نے اس کو پانچویں خلعت عطا کی۔ یعنی رسالت کی خلعت۔ کہا اس نے کہ اے میرے رب کھولدے۔ میرے لئے میرا سینہ الخ"

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز کے خاتم بننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ سب سے آخر ہو اور دوسرے کے آنے کیلئے وہ روک بن جائے۔ کیونکہ اس عبارت سے قریباً ایک صفحہ قبل امام رازی صاحب نے عقل کو خاتم الخلع کہا ہے۔ لیکن جب ہم اس ورق کو اُلٹتے ہیں تو دوسرے صفحہ پر یہ عبارت لکھی ہوئی پاتے ہیں کہ موسیٰؑ کو جب خدا تعالیٰ نے چار خلعتیں دیں جن کا خاتم عقل ہے تو اس کے بعد پانچویں خلعت عطا فرمائی ہے یعنی خلعتِ رسالت ؛

اگر خاتم کے معنے امام صاحب کے نزدیک سب سے آخر ہوتے تو چوتھی خلعت (عقل) کے بعد پانچویں خلعت (خلعتِ رسالت) کے دیئے جانے کا ذکر نہ کرتے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ عقل کو جو خاتم الخلع کہا ہے محض اس وجہ سے کہا ہے کہ وہ ان چار خلعتوں میں سب سے افضل و اکمل ہے۔ وبس ؛

Digitized by Khilafat Library Rabwah

علیٰ ہذا القیاس انسان کو جو خاتم المخلوقات الجسمانیۃ قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ تمام مخلوق سے سب سے افضل اور سب سے اکرم ہے +

ان محاورات اور بیّنات کے ہوتے ہوئے یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم بسبب خاتم النبیین کے لقب سے مشرف ہونے کے مانع نبوّت اور سب سے آخری نبی ہو گئے ہیں +

اگر غیر احمدی صاحبان عقل و تدبّر سے کام لیتے۔ اور تعصب کو بوقت احقاق الحق تھوڑی دیر کے لئے پس پُشت رکھتے تو ان کو معلوم ہو جاتا۔ کہ ان کا عقیدہ نبی کریم صلعم کے بارہ میں کہ آپؐ خاتم النبیین ہیں بالکل خلاف واقعہ اور غلط ہے ؛

آنحضرت صلعم کو کئی لحاظ سے خاتم النبیین یا سب سے آخری نبی کہا ہے :-

اوّل وجود کے لحاظ سے کہ آپؐ وجود کے لحاظ سے سب سے آخر ہیں۔

لیکن یہ عقیدہ غیر احمدیوں کے مسلّمہ کے بالکل خلاف ہے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو ابھی تک زندہ آسمان پر بیٹھے ہوئے سمجھتے ہیں۔ وہ نبی کریم صلعم کے بعد چودہ سو سال سے موجود اور زندہ ہیں۔ اور بمطابق آیت وجعلنی نبیا وجعلنی مبارکا این ما کنت اب بھی نبی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ آنحضرت صلعم وجود کے لحاظ سے آخری نبی نہیں کہلا سکتے +

دوم بعثت کے لحاظ سے۔ یعنی آنحضرت صلعم بعثت کے لحاظ سے سب سے پیچھے ہیں۔ مگر یہ بات بھی ہماری دانش میں نہیں آ سکتی۔ کیونکہ غیر احمدی صاحبان کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ آخری زمانہ میں قیامت کے قریب اُمّت محمدیہ کی اصلاح اور کانے دجّال کو قتل کرنے کیلئے پھر دوبارہ مبعوث ہونگے۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ آنحضرت صلعم مبعوث ہوئے اور پھر فوت بھی ہو گئے۔ لیکن حضرت مسیح بقول غیر احمدیان پہلے مبعوث ہوئے اور چھٹی لیکر یا معطل ہو کر آسمان پر چلے گئے۔ پھر ایک دفعہ اور مبعوث کیئے جانے والے ہیں۔ اب بتایئے کہ بعثت کے لحاظ سے کون آخری نبی ہوئے۔ آیا آنحضرت صلعم جو کہ چودہ سو برس قبل فوت ہوئے ہیں یا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام جو کہ آنحضرت صلعم کے کئی سو برس بعد مبعوث ہونگے ؟

اس موقعہ پر غیر احمدی مولوی اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کرتے ہوئے بہت سنجیدگی کے ساتھ کہتے ہیں کہ آپ صلعم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں مبعوث ہوگا۔ حضرت عیسیٰؑ چونکہ آپؐ سے پہلے نبی ہو چکے تھے اس لئے کوئی حرج نہیں +

لیکن اتنی بھی سمجھ نہیں کہ اگر آنحضرت صلعم کو خاتم النبیین بنانا تھا تو پوری طرح بنانا چاہیئے تھا۔ نہ کہ ادھورا۔ یہ کیا ہوا کہ نئے آنے والوں کیلئے آپ خاتم النبیین ہوئے لیکن پُرانوں کے لئے نہیں ؛

اگر آنحضرت صلعم ان معنوں میں خاتم النبیین ہیں جن معنوں میں نابلد لوگ مانتے ہیں تو سب سے پہلے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

یہ ضروری تھا کہ خدا تعالیٰ نبی کریمؐ کے پیدا ہوتے حضرت عیسیٰؑ کو اور حضرت خضر کو (بقول بعض) موت دیدیتا تاکہ آپؐ اچھی طرح اور مکمل طور پر خاتم النبیین۔ آخر الانبیاءؐ اور لا نبی بعدہ بن جائیں۔ ورنہ ایسے ناقص معنوں میں ہر ایک نبی اور ہر ایک رسول اپنے اپنے وقت میں خاتم النبیین اور آخر الانبیاء کہلا سکتا تھا۔ اس خطاب میں آپؐ کی کونسی خصوصیت رہ گئی +

سوم۔ صرف پیدائش کے لحاظ سے جیسا کہ بعض نے لکھا ہے۔ کہ آپ سب سے پیچھے پیدا ہوئے۔ مگر یہ بھی کئی وجوہات سے غلط معلوم ہوتا ہے +

پہلی وجہ۔ یہ کہ لفظ خاتم النبیین سے کہیں یہ نہیں نکلتا کہ آپؐ پیدائشی اور ولادت کے لحاظ سے سب سے آخر میں۔
دوسری وجہ پیدا ہونے کے وقت ہی آپؐ نبی نہیں ہوئے تھے۔ یہ بات جب صحیح ہو سکتی ہے جبکہ آپؐ پیدا ہوتے ہی نبی ہو گئے ہوں اور آپؐ کو یہ خطاب اسوقت ملا ہو۔ کیونکہ خاتم النبیین بننے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے نبی ہو۔ حالانکہ آپؐ کو پیدا ہونے کے چالیس سال کے بعد یہ خطاب ملا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ پیدائش کے لحاظ سے بھی آپؐ خاتم النبیین نہیں ہیں ؛

الغرض ان تین احتمالات اور وجوہات میں سے کسی وجہ سے بھی آپ کو آخری نبی یا خاتم النبیین نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ یہ بات غیر احمدی لوگوں کے نزدیک واقعہ اور انکے مسلّمہ کے بالکل خلاف ہے ؛

بے شک آنحضرت صلعم نے خاتم النبیین کی انا آخر الانبیاء اور لا نبی بعدی سے تفسیر کی ہے لیکن یہ حدیثیں مسجدی آخر المساجد اور اذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ کی حدیثوں سے زیادہ زور نہیں رکھتیں۔ اس لئے یہ دو مؤخر الذکر حدیثیں غیر احمدیوں کو ناکام بنانے کے واسطے بہت کافی ہتھیار رہیں ؛

چہارم۔ شریعت کے لحاظ سے یعنی صاحب شریعت ہونے کے لحاظ سے آپؐ سب سے آخر میں۔ ہاں بے شک یہ بات معقول اور صحیح نظر آتی ہے۔ کہ شریعت اور صاحب شریعت ہونے کے لحاظ سے آپؐ سب سے آخر میں۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ آپؐ کے بعد نہ کوئی شریعت آئیگی اور نہ ہی کوئی شارع نبی مبعوث ہوگا۔ ہمیں اس معنے میں بالکل اتفاق ہے اور یہی ہمارا مدعا ہے ؛

پنجم۔ کمال اور فضیلت کے لحاظ سے یعنی آنحضرت صلعم پر ہر قسم کا کمال اور ہر نوع کی فضیلت ختم ہے جس حد تک آپؐ پہنچے اور جس منصب پر آپؐ کھڑے ہیں وہاں تک نہ پہلے آپؐ سے کوئی پہنچا اور کھڑا ہوا ہے نہ آپؐ کے زمانہ مبارک میں۔ اور نہ ہی آئندہ کوئی اس درجہ و منزلت تک رسائی کریگا۔ پس آنحضرت صلعم کو خاتم النبیین بنانے کی سب سے بڑی وجہ یہی نظر آتی ہے اور یقیناً یہی ہے۔ نہ یہ کہ آپ وجود یا بعثت کے لحاظ سے سب سے پیچھے ہیں ؛

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اس کے متعلق عارف ربانی عبدالکریم بن ابراہیم جیلانی نے اپنی کتاب "الانسان الکامل" جزو اوّل باب ۳۶ کے صفحہ ۹۷ و ۹۸ پر بہت مفصّل بحث کی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین کیونکر ہوئے۔ مفصّل بحث کیلئے ملاحظہ ہو ریویو ۵ اپریل سنہ ۱۹۳۰ء:

ان دلائل اور براہین سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلعم کو جو خاتم النبیین کہا جاتا ہے وہ محض اس وجہ سے کہ آپ سب سے افضل اور سب سے اکمل ہیں۔ اسی طرح جس طرح کہ انسان کو بسبب تمام مخلوقات سے افضل اور اکرم ہونے کے خاتم المخلوقات اور عقل کی وجہ اور تین خلعتوں پر فوقیت رکھنے کے خاتم الخلع کہا ہے فتدبروا یا اولی الابصار۔ والسلام۔ خاکسار ابوبکر ایوب سماٹری مولوی فاضل

انجیلی تعلیمات

عیسائیت کی مایۂ ناز تعلیمات پر ایک نظر

دُعا کے متعلق اسلامی اور انجیلی تعلیم کا مقابلہ

خالق و مخلوق کا آپس میں جو گہرا ارتباط ہے اُس کا یقینی طور پر یہ اقتضاء ہے کہ انسان اپنی تمام تر حاجات اُس قاضی الحاجات کے سامنے پیش کرے جو عسر و یسر اور تکلیف و راحت میں انسان کا حافظ و نگہبان ہوتا ہے کیونکہ یہ سخت بے مروّتی ہے کہ ایک ہمارا محسن جس نے ہماری پیدائش کے دن سے بلکہ اُس دن سے بھی بہت پہلے ہم پر احسانات کرنے شروع کر دیئے۔ ہمیں پالا اور تمام قسم کے راحت کے سامان ہمارے لئے مہیا کئے۔ ایسے وفادار محسن سے جب ہم اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو جائیں۔ تو جھٹ مُنہ پھیر لیں اور کہدیں کہ ہم پر کسی بالاذات کا کچھ احسان نہیں۔ یقیناً ایسا فعل ہمارا ناجائز فعل ہوگا۔ اور یقیناً ایسے فعل کا مرتکب مذہبی دنیا میں ایک مجرم کی حیثیت میں شمار کیا جائیگا +

اِس ارتباط اور تعلّق کا۔ یا خالق و مخلوق کے باہمی راز و نیاز کا۔ یا انسان کے عجز و بیچارگی کے کمل اظہار کا دوسرا نام دُعا بھی ہے۔

دُعا ایسی چیز کا نام ہے۔ کہ ایک انسان نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ پوری اخلاص اور ادب کے ساتھ اپنی جبینِ نیاز محسنِ حقیقی کے آگے جھکاتا ہے۔ اپنا سائلانہ ہاتھ اُسکے حضور دراز کرکے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

عرض کرتا ہے کہ اے ہمارے مشکل کشا۔ میری فلاں مصیبت کو دور فرما۔ اس سے مخلصی کا مجھے بہترین طریق بتلا
آج تک دنیا میں جس قدر بھی مذاہب ہوئے۔ سب نے اپنے اپنے رنگ میں اس خصوص پر زور دیا۔
اور دُعا کی اہمیت کو اپنے ماننے والوں پر واضح کیا۔ اور در حقیقت بات بھی یہی ہے کہ بغیر دُعا کے
کوئی مذہب مذہب ہی نہیں کہلا سکتا۔ دُعا ہی وہ ہتھیار ہے جو مومن کے دشمنوں کو پامال کر دینے کا سب سے
مؤثر ذریعہ ہے۔ دُعا ہی وہ دوا ہے جو بیماریوں کو تندرست و شفایاب بنانے کا بہترین نسخہ ہے۔ دعا ہی وہ
غمگسار ہے جو تنہائی کی گھڑیوں میں مصیبت اور نزولِ بلا کے اوقات میں قلبِ انسانی کو تسلی دیتا
ہے اور کہتا ہے کہ مت گھبرا تیرا خدا تیرے ساتھ ہے ؎

وہ قلعے جو توپوں اور تفنگوں سے فتح نہیں کیئے جا سکتے۔ وہ دروازے جو کسی چابی سے کھولے
نہیں جا سکتے وہ سر بفلک پہاڑ جن کی چوٹیوں پر انسانی ہمت کی کمند نہیں پڑ سکتی۔ وہ سمندر اور چڑھتے
ہوئے دریا جن کے عبور کیلئے کوئی کشتی یا جہاز کام میں نہیں آ سکتا۔ ایسے قلعوں کی فتحیابی ایسے دروازوں
کی کلید ایسے پہاڑوں پر پہنچنے کی کمند اور ایسے دریاؤں کو عبور کرنے کا اگر یقینی اور قطعی ذریعہ ہے
تو وہ صرف دُعا ہے۔ ہاں مگر وہ دُعا جو آدابِ دُعا کے ساتھ دل سے بلند ہوئی ہو ؎

آج ناواقف دنیا اس سیفِ بُرّان کی چمک سے ناواقف ہے۔ وہ خیال کرتی ہے کہ دعا ایک آہ و زاری
سے زیادہ کسی چیز کا نام نہیں۔ دعا نام ہے دل کی بھڑاس نکالنے کا۔ دعا نام ہے غمزدہ دل کو تھوڑی
دیر کیلئے کسی موہوم کامیابی سے مطمئن کرنے کا۔ لیکن اگر ان کی آنکھیں ہوتیں۔ تو وہ جانتے کہ یہ ایسا ہی
خیال ہے جیسے ایک بچہ کسی چمکدار تلوار کی حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے اُسے کھلونے کا ایک آلہ تصور کرلے ؎

مختلف مذاہب نے مختلف تعلیمیں دیں مگر سب سے زیادہ جس مذہب نے دُعا پر زور دیا۔ وہ اسلام
ہے۔ اُس نے ادعونی استجب لکم کہکر انسانی قلوب میں محبت کی ایک عظیم الشان لہر پیدا کر دی
ہے۔ بھلا سوچو تو ایک مومن بندہ کس قدر خوشی محسوس کرتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کا خدا کہتا ہے
مجھ سے مانگ۔ میں تجھے دونگا۔ اسی طرح فرمایا۔ واذا سألك عبادی عنی فانی قریب اجیب
دعوۃ الداع اذا دعان۔ اگر لوگ تجھ سے پوچھیں۔ کہ ہستی باری تعالیٰ کا کیا ثبوت ہے تو جا
اور ان کو کہدے۔ کہ میری ہستی کا سب سے بڑا نشان یہ ہے کہ جب تمام دنیا فیصلہ کر لیتی ہے کہ فلاں امر قطعی
ناممکن ہے۔ یا جب ہر طرف سے کسی غمزدہ پر بلاؤں کا ہجوم ہو جاتا ہے۔ اور دنیا اپنی محدود واقفیت
کی بنا پر سمجھ لیتی ہے کہ اس کی ہلاکت یقینی ہے اُسوقت میں انا الحق کی صدا دیتا ہوں اور ان لرزہ خیز
مصائب و مشکلات سے اُسے بچا لیتا ہوں کہ ایک ہی ہستی ہے جس نے تجھے بچایا۔ اور وہی ہستی میں ہوں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

پس اس لئے میں بعید نہیں بلکہ فانی قریب میں تو بہت قریب ہوں ؛

پس دُعا ایک قیمتی جوہر ہے۔ یہ وہ موتی ہے جسکی قدر صرف جوہری ہی جانتے ہیں۔ یہ وہ نور ہے جس کی چمک سے صرف نورانی قوتوں میں ملبوس انسان ہی آگاہ ہیں۔ اور اگر دنیا اُس کوچہ سے نابلد ہے تو اُسے یہ تو قیاس کرنا چاہیئے کہ ایک بندے کی عبودیت کا کیا یہ اقتضاء نہیں کہ وہ اپنا ماتھا خدائے برتر و توانا کے آگے جُھکائے؟ کیا یہی وہ انسان نہیں جسکی خلقت ماءِ مہین سے ہوئی۔ الم یک نطفۃ من منی یمنیٰ۔ پھر کیا یہ انسان اتنا متکبّر ہو سکتا ہے کہ کہے میں خدا کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ ایسی بے تعلقی فطرت کے بالکل خلاف ہے۔ اور ایسی بے رُخی محبّت کے اصول کے صریح متضاد ہے۔ اور در حقیقت ایسے شخص کو گوہرِ مقصود کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سچّی بات یہی ہے۔ ؎

حاصل اُسے مراد نہیں مُدّعا نہیں ؛ قبضے میں جس کے قبضۂ سیفِ خدا نہیں
فطرت کے برخلاف ہے یہ بے تعلّقی ؛ بندہ بھی ہے خدا بھی ہے لیکن دُعا نہیں

پس دُعا مذہب کی جان ہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے دعا پر سب مذاہب سے زیادہ اگر کسی نے زور دیا ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ لیکن جہاں اِس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دُعا انسان کی روحانیت کو بڑھانے اور محبّت الٰہی میں محو کرنیکا سب سے مؤثر ذریعہ ہے وہاں اِس امر سے بھی انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ دُعا در حقیقت وہی دُعا ہوگی جس میں انسان سوز و گداز کے ساتھ اور انتہائی تضرع و ابتہال کے ساتھ خدا کے آگے جُھکے۔ اُسکے حضور نہ ایک بار بلکہ بکرّات و مرّات اپنے مُدّعا کو پیش کرے۔ اور نہ ہٹے جبتک کہ جھ دامنِ مراد میں گوہرِ مقصود جمع نہ کر لے ؛

سائلوں کو دیکھو۔ اُن میں دو قسم کے گداگر ہوتے ہیں ایک وہ جو کچھ لئے بغیر نہیں ٹلتے۔ ایسوں کو نر گدا کہا جاتا ہے مگر ایک وہ ہوتے ہیں کہ جب کوئی انکار کر دے تو اُس دروازہ سے ہٹ کر کسی اور دروازے پر صدا لگاتے ہیں۔ ایسوں کو خر گدا کہا جاتا ہے۔ باری تعالیٰ کا دروازہ چونکہ انتہائی مقام ہے اور اُس سے بلند تر اور کوئی ہستی نہیں۔ اس لئے مومن کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ خدا کے حضور نر گدا بنے اور کہدے کہ میں نہیں ہلونگا جب تک اے خدا تیرے دروازے سے کچھ لے نہ لوں۔ مگر یہ عزم و استقلال اُسوقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جبتک انسان اپنی دُعاؤں میں تکرار نہ کرے۔ چنانچہ اسلام اپنے ماننے والوں کو یہی سکھاتا ہے کہ خدا سے مانگتے چلے جاؤ اور کوئی منٹ بھی ایسا نہ آئے جس میں تم مایوس ہو کر رہ جاؤ۔ اور کہدو کہ ہماری دُعا تو سُنی ہی نہیں جاتی ؛

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اس کا ثبوت یہ ہے کہ حدیثوں میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دُعا میں جلدی نہیں کرنی چاہیئے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ استعجال کیا ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا یقول قد دعوتُ و دعوتُ فلم ار یستجاب لی۔ میں نے بہت دعائیں کیں مگر قبول نہیں ہوئیں۔ پس تھک کر بیٹھ جانا یا ایک ہی بار اپنے مدعا کو پیش کر کے رہ جانا یا کمرِ ہمت توڑ دینا سخت ناپسندیدہ امر ہے اور اسلامی نقطۂ نگاہ میں ایسا شخص الٰہی رضامندی حاصل کرنے کی بجائے اُسکی ناراضگی کا مورد ہو جاتا ہے۔

پس یہ تو اسلام کی تعلیم ہے اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کسقدر دلآویز تعلیم ہے۔ خدا کی درگاہ میں جو شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے جانا اور پھر ایک صدا لگا کر آ جانا ہرگز مستحسن فعل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جب دنیا میں معمولی سائل بھی اپنی معمولی حاجات کے لئے دروازوں پر اڈا جما لیتے تو خدائے برتر سے مانگتے ہوئے کیوں نہ انسان پوری ہمت اور عزم و استقلال سے مانگے۔ پس اسلام نے تکرار پر زور دیا ہے اور استقلال کی تاکید کی اور مایوسی سے روکا۔ اور امید دلائی کہ ضرور کسی نہ کسی رنگ میں دُعا قبول ہو سکتی ہے خواہ محض ثواب کے رنگ میں ہی۔ مگر اب عیسائیت کی تعلیم لیں۔ وہ ہمیں یہ بتلاتی ہے کہ ہم خدا کے حضور زیادہ "بک بک" نہ کریں اور اُسکے حضور "بہت نہ بولیں" چنانچہ پولوس لکھتا ہے:۔

"میں چاہتا ہوں کہ مرد ہر جگہ بغیر غصے اور تکرار کے پاک ہاتھوں کو اُٹھا کر دعا مانگا کریں"۔ ۱۔ تمطاؤس ۲/۸ گویا دعا "بغیر تکرار" کے مانگی جانی چاہیئے۔

اسی طرح بقول انجیل مروجہ حضرت مسیح بھی فرماتے ہیں:۔

"اور دُعا مانگتے وقت غیر قوموں کے لوگوں کی طرح بک بک نہ کرو کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بہت بولنے کے سبب ہماری سُنی جائیگی۔ پس اُنکی مانند نہ ہو۔ کیونکہ تمہارا باپ تمہارے مانگنے سے پہلے ہی جانتا ہے کہ تم کن کن چیزوں کے محتاج ہو" متی ۶/۷ و ۸

اِس ارشاد میں گویا حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی اپنے حواریوں کو اس امر کی تلقین کی ہے کہ دُعا مانگتے وقت "بک بک" نہیں کرنی چاہیئے۔ اور زیادہ بولنا نہیں چاہیئے اور اِس خیال کو دل سے نکال ڈالنا چاہیئے کہ زیادہ دفعہ مانگنے سے وہ قبول ہو جائیگی۔ یہاں ہمیں اس امر سے بحث نہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا اپنا عمل کیا تھا۔ اور انہوں نے گرفتاری کی رات کس طرح بار بار دُعائیں مانگیں اور حواریوں سے کس طرح بمنت کہا کہ وہ بھی دعائیں کریں۔ بلکہ یہاں ہمیں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ انجیل مروجہ کا یہ ارشاد نہایت غیر مستحسن بلکہ قلوب میں بجائے عشق الٰہی پیدا کرنے کے محبت خدائی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کی اِسی آگ کو بھی سرد کر دینے والا پیام ہے ؛

یہ خیال اگر خدانخواستہ دنیا میں قائم ہو جائے تو تضرع اور عاجزی اور ابتہال اسی طرح استقلال اور توجہ الی اللہ یکسر مفقود ہو جائے۔ کیونکہ تضرع اور ابتہال اور توجہ الی اللہ اور استقلال تبھی پیدا ہوتا ہے جب انسان بار بار اپنی حاجت کو سامنے لا کر نہایت پُر درد الفاظ میں عرش الٰہی تک اپنی آواز پہنچاتا ہے اور اُسکی محبت کو جوش میں لانا چاہتا ہے۔ لیکن اگر ایک ہی بار مدعا پیش کیا جائے تو قطعاً نہ خدا کی محبت دل پر پیدا ہوگی اور نہ اپنی کمزوری کا ہی احساس ہوگا۔ اور اس طرح نہ خدا کی عظمت و ہیبت اور اُسکے جبروت و جلال کا نقشہ دل پر مستولی ہوگا۔ بلکہ بے پروائی پیدا ہوگی اور خدا سے بے پروائی کبھی اچھا نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی۔ پس یہ تعلیم ناقص تعلیم ہے۔ اس سے جلد بازی پیدا ہونے کا امکان ہے۔ کیونکہ مانگنے والا ایک ہی بار مانگ کر چاہیگا کہ میری خواہش پوری ہو جائے حالانکہ ابھی اس کی دُعا میں وہ درد پیدا نہیں ہوا ہوگا جو قبولیت کا لازمہ ہے۔ پھر اس سے شانِ ایزدی میں بے ادبی بھی لازم آتی ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اِدھر ہمارے مُنہ سے بات نکلے اور اُدھر وہ پوری ہو جائے۔ اور یہ بارگاہِ ایزدی میں سخت افسوسناک جرأت ہے۔ پھر محبت الٰہی کا فقدان بھی لازم آئیگا۔ اور اسپر عدم استقلال عدم تضرع اور عدم توجہ الی اللہ کے نقائص مزید ہیں۔ پس یہ تعلیم سخت غیر پسندیدہ تعلیم ہے۔ اور درحقیقت اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس بات پر غور ہی نہیں کیا گیا۔ کہ محبت الٰہی کس طریق پر دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اور اس بات کو سوچا ہی نہیں گیا کہ دُعا کے آداب کیا ہیں۔ مگر اسلام نے ہمیں سکھایا ہے کہ مانگو اور پھر مانگو۔ خدا سے مایوس مت ہو۔ اگر سال نہیں دس سال بلکہ بیس سال بھی ہو جائیں۔ تب بھی اپنی التجائیں خدا کے حضور پیش کرتے جاؤ۔ مگر ساتھ ساتھ اسباب سے بھی کام لو۔ تب یقیناً ایک دن فضل کا دروازہ کُھلیگا۔ اور خدا تمھیں اُس مقام پر لیجائیگا۔ جہاں تمھیں یہ آواز سُنائی دیگی۔ ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم وتلذ الاعین ۞ سلامٌ قولاً من ربٍ رحیم۔

اِس تعلیم میں ایک مزید نقص یہ بھی ہے کہ کہا گیا ہے " تمھارا باپ تمھارے مانگنے سے پہلے ہی جانتا ہے کہ تم کن کن چیزوں کے محتاج ہو" (متی ۶/۸) بے شک یہ صحیح ہے۔ ہمارا عالم الغیب خدا خوب جانتا ہے کہ ہمیں کون کونسی ضروریات لاحق ہیں۔ مگر باوجود اس بات کے ایک بندہ کی شانِ عبودیت اُسے مجبور کرتی ہے۔ کہ وہ اپنی حاجات خدائے برتر کے حضور پیش کرے۔ اور محض اس بات پر مانگنے سے نہ رہ جائے کہ جب خدا جانتا ہے تو وہ میری آپ مدد کریگا۔ بیشک خدا تو جانتا ہے مگر ضروری ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کہ انسان اپنی حالت اس قابل بنائے کہ وہ اُس کی مدد جذب کر سکے۔ اور نُصرت الٰہی کو جذب کرنیکا سب سے بہترین طریق تضرع اور ابتہال ہی ہے۔ پس باوجود خدا کے علم کے ضروری ہو گا کہ انسان رحمتِ الٰہی کو جذب کرنیوالی کیفیّت دل میں پیدا کرے اور یہ سوائے دُعا کے اور کسی طریق سے حاصل نہیں ہو سکتی پس دُعا ضروری ہے اور رحمتِ الٰہی تبھی وارد ہو گی۔ جب یہ رحمت کو جذب کرنیوالی کیفیّت پیدا کریگا۔ اگر بچّہ روئیگا نہیں تو ماں کی چھاتیوں میں دُودھ کس طرح اُتر یگا۔ ضروری ہے کہ ہم روئیں تا خدا کی رحمت اُترے۔ چیخیں تا اُسکے فضل کا پانی برسے۔ دُعائیں اور التجائیں کریں تا انوارِ آسمانی دل پر محیط ہوں۔ پس انجیل کا یہ کہنا کہ تمھارا باپ تمھاری ضروریات کو پہلے سے جانتا ہے۔ دل میں استغناء پیدا کرتا ہے اور بندے کی یہ قطعاً شان نہیں کہ وہ خدا سے اپنے آپ کو مستغنی قرار دے۔ خدا وہ بلند تر ہستی ہے جسکی مدد کی انسان کو اپنے ہر سانس پر ضرورت ہوتی ہے۔ پس ایسی بے مثال ہستی سے جسقدر بھی تعلق پیدا ہو گا انسان کیلئے مفید اور بابرکت ہی ہو گا۔ پس دُعا کے متعلق صرف اسلامی تعلیم ہی ایسی ہے جو خالق اور مخلوق کے تعلق کو مضبوط کرتی اور اُن میں محبّت و الفت بڑھاتی ہے نہ کہ عیسائیت کی جو استغناء۔ کبر۔ عدم تضرع۔ ابتہال اور دوسرے نقائص متذکرہ بالا پیدا کر کے انسان کی روحانیت کو ناقابل تلافی صدمہ پہنچاتی ہے ؁

شیطان کے پجاری

ایران کے مرتفع میدانوں سے ریگستان شام تک علاقہ عرصۂ دراز سے مختلف قدیم تہذیبوں کا گہوارہ رہا ہے۔ اس سرزمین کی چھوٹی چھوٹی قوموں کی تاریخ و تہذیب دلچسپیوں سے خالی نہیں۔ اور تاریخ کے ایک مبصر کو اس نواح کے دامن میں غیر معمولی جاذبیت نظر آتی ہے ؁

یہاں زمانہ قدیم سے ایسی قومیں آباد ہیں جنکو جنگ عظیم سے پیشتر تک اپنی قومی حکومت کبھی نصیب نہ ہو سکی نسطوری عیسائیوں کا فرقہ بھی یہیں آباد ہے۔ یہ مخصوص فرقہ قسطنطنیہ کے مشہور راہب نسطوریس کا قائم کردہ ہے جسکو ۴۳۱ء میں مسیحی کلب کی تیسری کونسل نے ملحد اور بیدین قرار دیا تھا۔ یہی دلچسپ سرزمین مانقین کا بھی گہوارہ ہے جو تیسری صدی میں منصّہ شہود پر آئے تھے اور جنہوں نے مسیحی اور زرتشتی تعلیمات کو ملا جلا کر اپنے لئے ایک نیا مذہب اختراع کر لیا تھا۔ سینٹ یوحنا کے فرقہ کے عیسائی اور ستارہ پرست صابئی بھی یہیں آباد تھے لیکن یہاں کی قوموں میں سب سے دلچسپ اور قابل ذکر جماعت یزیدی یا شیطان پرستوں کی ہے +

Digitized by Khilafat Library Rabwah

یہ فرقہ شیطان کو ازل سے تمام قوتوں کا سرچشمہ اور موجودہ دور کا فرمانروائے مطلق تسلیم کرتا ہے۔ اسکے ساتھ ہی اس کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ قیامت کے قریب حضرت مسیح موعود دنیا میں تشریف لاکر اس شیطانی دور کا خاتمہ کردینگے اور اسکے بعد اہرمن کی بجائے یزدان کی حکومت شروع ہو جائیگی۔ یہ جماعت گیارھویں صدی عیسوی کے ایک مسلمان بزرگ شیخ عادی کو اپنا پیشوا۔ امام اعظم یا پیغمبر تسلیم کرتی ہے۔ مورخین کے قول کے مطابق شیخ عادی مذکور کے ایک کرد مرید نے بارھویں صدی عیسوی میں یہ فرقہ قائم کیا تھا پہلے اسکا تعلق نسطوریوں کے عیسائی فرقہ سے تھا اور وہ ایک نسطوری خانقاہ میں ملازم تھا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ مسلمان ہو گیا اور اس نے شیخ عادی کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اسکے ساتھ نسطوریوں کے خلاف اس نے اعلان جہاد بھی کر دیا۔ یہ کرد نومسلم ایک اچھا سپاہی بھی تھا اس نے اور اسکے دو نو بیٹوں نے جماعت کو منظم کرکے نسطوریوں کے خلاف شدید جنگ کی اور انہیں اپنے علاقہ میں بالکل تباہ و برباد کر دیا۔ اسی جنگ کے ابتدائی ایام میں وہ اپنی فتح کیلئے روزانہ خدا سے دُعا کرتا تھا۔ لیکن اسکو ایک مرتبہ نسطوریوں کے مقابلہ میں شکست ہو گئی بس پھر کیا تھا۔ اجڈ سپاہی اللہ سے رُوٹھ گیا اور اس نے اعلان کر دیا کہ جب خدا میری مدد نہیں کرتا تو مَیں اسکی پرستش کے بجائے شیطان کی پرستش شروع کرونگا۔ حسن اتفاق کہیئے یا سوء اتفاق اسکو دوسرے ہی دن نسطوریوں پر نہایت زبردست فتح حاصل ہوئی اور بہت دولت اسکے ہاتھ لگی ؛

کرد سپاہی زبان کا پکا تھا اس نے درحقیقت شیطان ہی کی پرستش شروع کر دی۔ اسکے مرشد شیخ عادی کا انتقال ہو چکا تھا اس نے انکو اپنا پیغمبر تسلیم کیا اور یزیدی فرقہ کی بنیاد قائم کر دی۔ جس مقام پر شیخ عادی دفن ہوئے تھے اس کا نام بھی شیخ عادی رکھا گیا۔ انکی قبر پر بہت شاندار مقبرہ تیار ہوا اور حج کعبہ کی بجائے اس مقبرہ کی زیارت فرض قرار دیگئی ؛

چنانچہ یہ نیا فرقہ برابر تقویت پذیر ہوتا گیا اور باوجودیکہ بعض مسلم سلاطین نے اسکے استیصال کی بہت کچھ کوشش کی اور لاتعداد یزیدی تلوار کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ لیکن اب بھی اس فرقہ کے متبعین جبل ہنجر (جو موصل و شام کے قریب ہے) سے شیخ عادی تک۔ ستر اسی ہزار کی تعداد میں آباد ہیں ؛

یزیدی مور کو شیطان کا مظہر اور قابل تعظیم سمجھتے ہیں۔ انکے گھروں پر مور کی تصویر بنی ہوتی ہے اور بچوں کے گلے میں بھی یہی تصویر بطور حرز کے ڈالتے ہیں۔

جس طرح عام مسلمان ہر سال مکہ معظمہ جاکر فریضۂ حج ادا کرتے ہیں اسی طرح یزیدی شیخ عادی میں اپنے پیغمبر کے مقبرہ کی زیارت اپنے لئے فرض سمجھتے ہیں ؛

یزیدیوں کا مذہب عجب معجون مرکب ہے۔ یہ مسلمانوں کی طرح ختنہ کراتے ہیں۔ عیسائیوں کی طرح

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بپتسمہ لیتے ہیں اور ماکولات میں موسوی شریعت کا اتباع کرتے ہیں۔ اہرمن اور یزدان کی مشترکہ حکومت کا عقیدہ انہوں نے آتش پرستوں سے لیا ہے :

یہ حضرت موسیٰ۔ ملک عیسیٰ (حضرت مسیح علیہ السلام) بانی آبانی فرقہ مانقیین اور حضرت رسول اللہؐ ان چار بزرگوں کو انبیائے اولوالعزم اور صاحب شریعت تسلیم کرتے ہیں اور عام مسلمانوں کی طرح مہدی علیہ السلام مور کو اگر یہ مظہر شیطان سمجھ کر اسکی پرستش کرتے ہیں تو ہرن کو اسلئے احترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ اسکی آنکھیں شیخ عادی کی آنکھوں سے مشابہ ہیں۔ نباتات میں جن چیزوں کو مور زیادہ کھاتا ہے انکے استعمال کو یہ اپنے لئے حرام سمجھتے ہیں۔ مور کو یہ "ملک طاؤس" کہتے ہیں۔ تمالود۔ توریت۔ انجیل اور قرآن کو یہ آسمانی کتابیں تسلیم کرتے ہیں۔ اپنے اوقات عبادت میں قرآن شریف کی سورتیں تلاوت کرتے ہیں اور قدیم ایرانیوں کے اتباع میں سورج کے نام پر سفید بیل قربان کرتے ہیں۔ شیخ عادی میں انکے امام اعظم کے مقبرہ کے قریب ایک خنک پہاڑی چشمہ ہے یزیدیوں کے عقائد میں یہ چشمہ مکہ معظمہ کے مشہور چاہ زمزم سے ملا ہوا ہے۔ ان کی مقدس ترین مذہبی کتاب کا نام "کتاب جلوہ" ہے۔ یزیدی عقیدہ کے مطابق اس کتاب کو شیطان نے اپنے پیغمبر خاص (یعنی بانیٔ فرقہ یزیدیہ) پر نازل کیا تھا۔ اس کتاب کی پہلی آیت میں شیطان اس طرح اپنے بندوں کو خطاب کرتا ہے :۔

"میں دنیا کی تمام مخلوقات پر ازل سے حکمرانی کر رہا ہوں۔ اور ابد تک کرتا رہونگا۔ میں اپنے متبعین کے تمام معاملات کا مالک مطلق ہوں :"

یزیدی صرف اپنی جماعت کے افراد کو بھائی کہکر خطاب کرتے ہیں۔ کسی غیر مذہب والے کو بھائی کہنا انکے لئے شرعاً ناجائز ہے۔

یزیدی فرقہ کے قیام کو نو سو برس کے قریب ہو گئے لیکن اس سلسلہ میں یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ آج تک کسی یزیدی نے اپنے مخصوص عقائد سے توبہ نہیں کی۔ یہ جماعت اپنے عالمان مذہب کی بہت عزت کرتی ہے۔ جب کوئی یزیدی مرتا ہے تو اسکے تمام ملبوسات خاندانی مُلّا کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں اور مُردہ کے اعزہ ایک سال بھر تک دونو وقت اسکے لئے کھانا بھیجتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انکے عالمان مذہب فکر معاش سے بالکل مستغنی ہے :

یزیدیوں میں شادی کا طریقہ بھی بہت دلچسپ ہے۔ نوجوان مرد جس شخص کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہے اسکے باپ کے پاس جاکر درخواست عقد کے ساتھ یہ وعدہ کرتا ہے کہ میں تم کو اس قدر روپیہ کما کر دونگا یا اتنے برس تک تمہاری خدمت کرونگا۔ لڑکی کا باپ مول تول کے بعد ایک رقم یا زمانہ خدمت کا تعین کر دیتا ہے اور اپنی لڑکی کا ہاتھ اسی وقت درخواست کنندہ کے ہاتھ میں دیدیتا ہے۔ یہی دونو کا نکاح ہے۔ شوہر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اپنی بیوی کو ہمراہ لے آتا ہے اور نہایت ایمانداری کے ساتھ اپنے خسر کی تعیین کردہ رقم بلا قساط ادا کرتا ہے یا معینہ عرصہ تک اسکی خدمت انجام دیتا ہے۔ یزیدیوں کی طویل تاریخ میں بدعہدی کی مثالیں النادر کالمعدوم کی حیثیت رکھتی ہیں +

یزیدی جماعت میں ایک "میر" ہوتا ہے جسے دوسرے الفاظ میں مجتہد اعظم کہنا چاہیئے۔ یزیدیوں کے تمام دینی و دنیوی مسائل اسکی ہدایت و رہنمائی میں طے ہوتے ہیں۔ "میر" بوادریس کے شاندار قلعہ میں رہتا ہے۔ وہ یزیدیوں کی مختصر جماعت کا مطلق العنان تاجدار ہے اور کوئی شخص اسکے حکم سے سرتابی نہیں کرسکتا۔ مقام شیخ عادی میں سوائے قربانی کے جانوروں کے کسی ذی روح کو ہلاک نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس مقام کا کوئی درخت قطع کیا جا سکتا ہے۔ مقبرہ شیخ عادی کے بیرونی دروازے پر سانپ کی ایک بہت بڑی تصویر منقوش ہے اور قریب میں ایک مختصر آتشکدہ ہے جس کی آگ سینکڑوں برس سے روشن ہے۔ اس آگ کو یزیدی بہت مقدس خیال کرتے ہیں +

شیخ عادی کے زائرین کو تین یوم تک قومی لنگر خانہ سے دونو وقت کھانا مفت ملتا ہے۔ یزیدی جماعت کے درویش سیاہ قمیص پہنتے ہیں اور سیاہ دستار باندھتے ہیں۔ عورتوں کو نوشت و خواند کی سخت ممانعت ہے۔ مرد بھی سوائے مذہبی کتابوں کے مزید علم کی تحصیل بیکار سمجھتے ہیں۔ ایک مرتبہ ترکی حکومت نے جبل سنجر میں ایک ابتدائی مدرسہ جاری کردیا تھا۔ لیکن اتفاق سے اس مدرسہ کے چار طالب علم نہر میں ڈوب کر مر گئے اور یزیدیوں نے فوراً تسلیم کر لیا۔ کہ جناب ابلیس موجودہ طریقہ تعلیم کے خلاف ہیں چنانچہ یزیدیوں نے اس مدرسہ کا بالکل بائیکاٹ کردیا۔ اور ترکی حکومت کو مدرسہ بند کرنا پڑا +

اسم شیطان کے احترام کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ کوئی لفظ اپنی زبان سے ایسا نہیں نکالتے جو حرف شین سے شروع ہوتا ہو۔ اگر کسی ایسے لفظ کو یہ ادا کرنے کے لئے مجبور ہوں جو کہ شین سے شروع ہوتا ہو تو حرف ممنوعہ کو کسی دوسرے حرف سے بدل دیتے ہیں +

یزیدیوں میں کثرت ازدواج کا بہت رواج ہے خود انکے مجتہد اعظم یعنی میر کی حرم سرا میں متعدد عورتیں ہیں موجودہ میر ابھی نوجوان ہے۔ کئی یوروپین سیاحوں نے اس کا فوٹو لینے کی کوشش کی۔ لیکن وہ کامیاب نہیں ہوئے۔ میر اپنا فوٹو اس اندیشہ سے نہیں کھنچواتا ہے کہ فوٹو میں کہیں نیلے رنگ کی جھلک نہ آجائے۔ اور چونکہ یہ رنگ "ملک طاؤس" کے ساتھ مخصوص ہے اسلئے جماعت کا ہر رکن اس رنگ کا اپنے لئے استعمال ناجائز سمجھتا ہے مذہبی مراسم کے موقعوں پر سیاہ رنگ کی پوشاک شرعی اعتبار سے ضروری ہے۔ یزیدی جماعت طلوع و غروب آفتاب کے اوقات کو بہت مقدس سمجھتی ہے۔ صبح کے وقت یہ اس زمین کو چومتے ہیں جہاں سورج کی پہلی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کرن پڑتی ہو۔ اسی طرح شام کے وقت بھی غروب ہونے والے سورج کی دیکھ کر اپنی مخصوص دعائیں پڑھتے ہیں ؛ یہ جماعت عام انسانوں کی طرح اپنے آپکو حضرت حوّا کی اولاد نہیں تسلیم کرتی۔ بلکہ اپنی پیدائش کے متعلق یہ پُرلطف واقعہ بیان کرتی ہے کہ میاں شیطان ایک سیاہ فام عورت کہیں سے باوا آدم کیلئے پکڑ لائے ماما حوّا کا رنگ چونکہ صاف تھا اسلئے حضرت آدم اس نئے رنگ کی عورت کو دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے اور انہوں نے اسکے ساتھ شادی کرنا چاہی۔ حضرت حوّا کے دل میں جوش رقابت بھڑکا اور انہوں نے اپنے شوہر کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ ایک دن باوا آدم اپنی نئی محبوبہ کے ساتھ خلوت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حوّا پہنچ گئیں اور طالب و مطلوب کو اسقدر بُرا بھلا کہا کہ دونو شرم سے پسینے پسینے ہو گئے ان کا پسینہ جب زمین پر ٹپکا تو شیطان نے اس مٹی کو گوندھ کر ایک انسانی قالب تیار کیا۔ اور اس میں رُوح پھونک دی چنانچہ یہی انسان یزیدیوں کا مورث اعلیٰ تھا ؛

غرضکہ یہ فرقہ بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے اس تاریخی علاقہ میں اپنی نظیر آپ ہی ہے ؛ (ریاست)

ہندوؤں کے عزائم و مقاصد ہندوؤں کی زبان سے

چھوت چھات کی غرض و غایت

سب سے پہلے معاشرتی تعلقات کو لیجئے جو باہمی محبت، رواداری اور مصالحت پیدا کرنیکا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اس سلسلے میں عام ترین چیز مصافحہ ہے۔ ہندو اولاً تو مصافحہ سے گریز کرتے ہیں۔ اگر مصافحہ کرتے بھی ہیں۔ تو سمجھتے ہیں۔ کہ غیر ہندو کے ساتھ مصافحہ سے ان کے ہاتھ ناپاک ہو گئے چنانچہ پنڈت مدن موہن مالویہ جی فرماتے ہیں کہ جب انکا ہاتھ انگریز کے ہاتھ سے چھو جاتا ہے۔ تو بعد ازاں اپنے ہاتھ کو پاک کرنیکے لئے پانی سے دھوتے ہیں۔ (سناتن دھرم پرچارک مورخہ ۱۸۔ اکتوبر سنہ ۱۹۲۷ء صفحہ ۲)

باہمی تعلقات کو بہتر بنانے کا دوسرا ذریعہ مل کر کھانا پینا ہے۔ لیکن ہندو کبھی عیسائیوں، مسلمانوں یا دوسری غیر ہندو قوموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتے۔ پنڈت مالویہ کی حالت یہ ہے۔ کہ وہ اس کمرے میں بیٹھ کر پانی بھی نہیں پی سکتے جہاں کوئی غیر ہندو بیٹھا ہو۔ شدھی کی تحریک سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں کشیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ تو اسے رفع کرنے کیلئے ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں پنڈت مالویہ بھی شریک تھے۔ وہ پیاسے بیٹھے رہے۔ مگر پانی نہ پیا۔ اسلئے کہ مسلمان انکے پاس بیٹھے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں کی یہ احتیاط حفظان صحت کے اصول پر مبنی ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ وہ گندے سے گندے اور غلیظ سے غلیظ ہندو سے پرہیز نہیں کرتے۔ صرف غیر ہندو سے پرہیز کرتے ہیں۔ اخبار "مسافر" آگرہ کی چھٹی جلد کے بائیسویں صفحہ پر مرقوم ہے :-

Digitized by Khilafat Library Rabwah

"اگر چھوت چھات جاری نہ ہوتی۔ تو ہندو آج تجارت کے مختار کُل نہ ہوتے۔ ہماری تجارت صرف اسی بائیکاٹ (چھوت چھات) کی وجہ سے محفوظ رہی۔۔۔۔ اس تحریک سے ہندوؤں کو بحیثیت قوم بے حد فائدہ پہنچا ہے۔ مثلاً تجارت کے مسئلے کو لیجئے۔ آج ماکولات اور دوسری اچھی جنسوں کی تجارت چھوت چھات ہی کی بدولت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چھوت چھات کوئی مذہبی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اسکی تہ میں مسلمانوں کے اقتصادی بائیکاٹ کا جذبہ کارفرما ہے۔ ہندوؤں کو آج ریلوے سٹیشنوں پر کھانے پینے کی چیزوں کے ٹھیکے حاصل ہیں تو اسی بنا پر کہ ہندو مسلمانوں سے کھانے پینے کی چیزیں نہیں خرید سکتے اور مسلمان ہندوؤں سے خرید لیتے ہیں۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ہر مسلمان سال بھر میں ایک روپیہ کی مٹھائی خریدتا ہے تو صرف مٹھائی ہی کے ذریعے سے مسلمانوں کا سات کروڑ روپیہ ہر سال ہندوؤں کی جیبوں میں جا رہا ہے۔

(۲) ہندو یہ کوشش بھی کر رہے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو منقولہ و غیر منقولہ جائدادوں سے محروم کر دیں۔ ہندو سبھائیوں کی تمام سرگرمیوں کی غایت یہی ہے۔ اس سلسلے میں تلک آنجہانی کا آخری پیغام خاص طور پر قابل غور ہے۔ خواجہ حسن نظامی کا بیان ہے کہ مسٹر وارڈی تے تلک کے ماتحت سیاسی تحریک میں بڑا حصّہ لیا تھا۔ اور بعض اوقات وہ تلک کے مکان پر پہرہ دیا کرتے تھے۔ تلک مہاراج نے مرتے وقت ایک دوست کی وساطت سے گاندھی جی کو جو پیغام بھیجا یہ تھا:۔

"کوشش کرو کہ ہندوستان کی ساری جائداد ہندوؤں کے قبضے میں آجائے اس صورت میں صرف حکومت کا مسئلہ باقی رہ جائیگا۔ لیکن وہ آسانی سے طے ہو جائیگا۔ اوّلین کام یہ ہے کہ جائداد پر قبضہ ہو جائے"

(۳) گاؤکشی کے معاملے میں ہندوؤں کی روش کچھ کم دل آزار نہیں۔ جہاں جہاں چھاؤنیاں ہیں وہاں گائے کے گوشت کی بہم رسانی کے انتظامات موجود ہیں لیکن اگر مسلمان گائے کا گوشت کھانا چاہیں تو اُسے ہندو اشتعال انگیز فعل تصور کرتے ہیں۔ برطانی ہند میں بھی یہ حالت ناقابل برداشت ہے۔ لیکن ہندو ریاستوں نے تو اس معاملے کو اس حد تک پہنچا دیا ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کشمیر کی پچانوے فیصدی آبادی مسلمان ہے۔۔۔۔۔۔۔ لیکن وہاں گائے ذبح کرنیکی سزا سات سال کی قید ہے۔ ایک بلند پایہ انگریز افسر جو ایک ریاست میں ریزیڈنٹ رہ چکا ہے۔ بیان کرتا ہے کہ ایک موقع پر بعض مسلمانوں نے گائے ذبح کی اور انہیں ایک لاکھ روپیہ تاوان دینا پڑا۔ بعد ازاں ایک بچے کے مارنے کا واقعہ پیش آیا۔ تو صرف پچیس روپے میں نجات ہو گئی۔ بعض ہندو ریاستوں نے تبلیغ اسلام بند کر دی ہے۔ قاعدہ یہ رکھا ہے۔ کہ کوئی شخص اس وقت تک تبدیل مذہب کا حقدار نہیں جب تک عدالت میں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

خود حاضر ہو کر اجازت حاصل نہ کرے۔ نتیجہ یہ نکلا ہے۔ کہ مسلمان بآسانی ہندو بنائے ہیں ؛

۱۹۱۸ء میں گاندھی جی نے علی الاعلان کہا تھا :۔

"کسی کو اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیئے کہ گاؤ کشی کے جاری رہنے سے ہندوؤں کے جذبات احساسات کو جو صدمہ پہنچا ہے اس کی طرف سے وہ بے حس ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ یہ حالات موجودہ انگریزی اقتدار کی وجہ سے اس مصیبت کو برداشت کر رہے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں ایک بھی ہندو نہیں ہے جسے یہ امید نہیں کہ ایک دن گاؤ کشی کو ہندوستان کی مقدس سرزمین سے بالکل محو کر دیا جائیگا۔ یا جو گاؤ کشی کے جبراً روکنے کے لئے مسلمانوں اور عیسائیوں کے خلاف تلوار اٹھانے میں شامل ہوگا۔" (وکیل امرتسر مورخہ ۶ر مارچ ۱۹۱۸ء)

(۴) سوامی ستیہ دیو نے صوبجات متوسط کے ایک قصبے میں تقریر کرتے ہوئے کہا :۔

"ہندو متحد و مستحکم ہو جائیں۔ اور حاضر "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے اصول پر عمل پیرا ہے۔ ہندو تعداد میں زیادہ ہیں وہ زیادہ مضبوط ہو جائینگے .... ہم متحد ہو جائینگے۔ تو ہمیں کوئی شکست نہ دے سکیگا۔ اسوقت ہم مسلمانوں کے سامنے یہ شرطیں پیش کرینگے :۔

(۱) قرآن کو الہامی کتاب ماننا چھوڑ دو۔ (۲) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نبی نہ مانو۔ (۳) عربی وغیرہ کے تمام خیالات دل سے نکال دو۔ (۴) سعدی اور رومی کے بجائے کبیر اور تلسی داس پڑھو۔ (۵) اسلامی تیوہار چھوڑ کر ہندو تیوہار اختیار کر لو (۶) رام اور کرشن تیوہار مناؤ (۷) اسلامی نام چھوڑ کر رام دین اور کرشن خان نام رکھو۔ (۸) عربی دعاؤں کے بجائے ہندو شلوک پڑھا کرو۔"

ڈاکٹر مونجے آل انڈیا ہندو مہاسبھا کے صدر ہیں وہ فرماتے ہیں :۔

"اگر ہندو متحد ہو جائیں تو وہ بغیر کسی کی مدد کے انگریزوں اور انکے حامیوں کو جھکنے پر مجبور کر سکتے ہیں اور سوراج لے سکتے ہیں۔"

مسٹر ہردیال ایم۔ اے فرماتے ہیں "کہ ہوم رول جو پچھتر فیصدی کامل آزادی ہے۔ ہندو قوم اور انگلستان کے مابین سمجھوتے پر مبنی ہونا چاہیئے۔ اسکے بعد وہ ہندوؤں کا پروگرام یہ بتاتے ہیں۔ کہ ہندو سلطنت قائم کی جائے۔ جو ہندو اداروں پر مبنی ہو۔ اس کی زبان سنسکرت ہو یا ہندی۔ اس میں ہندوؤں کی تاریخ پڑھائی جائے۔ ہندوؤں کے تیوہار منائے جائیں ہندو مشاہیر کی یادگاریں قائم کی جائیں۔ ہندو قوم اور ملک کی محبت سکھائی جائے۔ جب سوراج کے قیام کا وقت آئیگا۔ تو ہم عیسائیوں اور مسلمانوں کے متعلق اپنی پالیسی کا اعلان کرینگے۔"

مسٹر ہردیال ایک اور موقع پر فرماتے ہیں :۔ "ہندوستان اور پنجاب میں ہندوؤں کا مستقبل ان باتوں پر موقوف ہے۔ (۱) ہندو سنگھٹن۔ (۲) ہندو راج۔ (۳) مسلمان اور عیسائیوں کو ہندو بنانا (۴) افغانستان کو فتح کر کے ہندو دھرم میں داخل کرنا ؛

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ڈاکٹر ایس صبے کے برمن کی

سخت امراض کی مُجرّب پیٹنٹ دوائیں

نئے سال کا تحفہ

کافوری جنتری سنہ ۱۹۳۱ء

مفت ہدیہ ناظرین ہے

سالہائے گذشتہ میں جن اصحاب کے ملاحظہ سے ہماری کافوری جنتری گذر چکی ہے وہ بخوبی واقف ہیں۔ کہ یہ جنتری عمدہ سفید چکنے کاغذ پر اعلیٰ درجہ کی نستعلیق لکھی ہوئی متوسط تقطیع پر شائع کی جاتی ہے۔ جو دیکھنے میں خوبصورت اور بہت سی فائدہ مند باتوں کی وجہ سے عوام میں مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ معزز قدردان مفت طلب فرمائیں +

ہیلک

اتفاقیہ لگی ہوئی چوٹ و زخم۔ موچ کیلئے یہ دوا نہایت ہی مفید ہے۔ اس لئے اسکو ہمیشہ پاس رکھنا چاہئے اچانک کسی جگہ چوٹ لگ جانے پر یہ دوا سیکڑوں روپیہ کے خرچ و فکر سے بچاتی ہے۔ اس لئے اس کی ایک ڈبی ہر عیالدار کو ضرور ہی اپنے گھر میں رکھنی چاہئے +

قیمت فی ڈبی ۱۰/ دس آنہ۔ محصول ڈاک چھ آنہ ۶/

نوٹ:۔ یہ دوائیں سب جگہ دواخانوں میں ملتی ہیں۔ ڈاک خرچ بچانیکے لئے اپنے شہر میں ہمارے ایجنٹ سے خریدیں

صیغہ نمبر (۱۱۷) پوسٹ بکس نمبر ۵۵۴ کلکتہ

ایجنٹ۔ شیخ محمد وارث رحمت علی سوداگر گورداسپور۔

کفائی عبدالرحمٰن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھاپ کر مالکان کیلئے قادیان سے شائع کیا